

مکمل ناول

عالیہ بخاری

پیشہ میں جھگڑا

”بیلا جی! وہیں کھانے کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ“ آج شام کو بھی یونیورسٹی جانے کی۔ ”ہوائے بکین میں داخل ہوتے ہی اسے اظہارِ غریب ضرور کی جیجی تھی۔

وہ اسی اٹھاک سے چائے کے کپ میں چھو چلائی رہی معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔

ہوا کے لیے صبح کا یہ وقت بے حد مصروف ہوا کرتا تھا اس لیے اس کے داخل کی جانب اسوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

”تمہارے لیے بھی ایک اینڈ آفرائی کروں۔“

رفوہ بیگم نے تو بے پروا تھا جیسکے ہوئے کروان موزکر

اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ دو سرا پر اٹھا بیٹھے میں مصروف ہو گئیں۔ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اسے عام طور پر کچھ بھی درکار نہیں ہوتا تھا۔ اسی بنیاد پر اسے دور کھینے کی اسے عادت تھی بڑی چکی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی ماسٹا کی سہلی کے لیے لیس انہم کے سوال اس سے گوزانہ ہی کر لیا کرتی تھیں۔

”آئی امی کی تلوڑ سنائی دی۔“ یہ جو کپاٹ خالی پرانے اور ہاں اصف اور عید کی اٹھ گئے ہیں۔“

ہوا شکر کا ڈپ اٹھا کر فوراً ہی اندر چل دیں وہ بے چاری صبح سے پھر پھر کر بانگن ہو جاتی تھیں ”اس گھر میں ہر شخص کو اپنی من پسند چیز جگہ پر بیٹھے بیٹھے ملتی جا رہی تھی البتہ اس کے بعد دوسرے کے لیے کام پر تنقید کا فرض انجام دینے کے لیے کئی لوگ بخوشی ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

”پورنا ست گرم ہے۔“

”سلاٹس بٹے ہوئے ہیں۔“

”مر انھوں میں کبھی زیادہ لگایا گیا ہے۔“ اور اس کے آگے عموماً ”یہ کھانا بھی سنائی دے جاتا تھا“ اچھا پر اٹھا پکا نا بھی ایک آرت ہے۔ جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“

”یہ تجزیہ ملکی امی اور تپا بیگم کا پیش کردہ ہوتا اور وہ



مکمل ناول

عالیہ بخاری

پیشہ پیشہ پیشہ

”بیلا بیلا! وہیں کھانے کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ“ آج شازہ بھی یونیورسٹی جاتے گی۔ ”یو اسے کچن میں داخل ہوتے ہی اسے اطلاع دینی ضروری سمجھی تھی۔
وہ اسی انہماک سے چائے کے کپ میں چمچ چلاتی رہی معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔
یو اس کے لیے صبح کا یہ وقت بے حد مصروف ہوا کرتا تھا اس لیے اس کے رد عمل کی جانب انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔
”تمہارے لیے بھی ایک لکڑا فراٹی کرنا ہے؟“ رفیعہ بیگم نے تو بے پرواہی سے پوچھا۔
”یو اس نے کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلادیا۔
وہ دوسرا راضا بیٹے میں مصروف ہو گئیں۔ انہی طرح جانتی تھیں کہ اسے عام طور پر کچھ بھی دوکار نہیں ہوتا تھا۔ اپنی ضروریات کو محدود رکھنے کی اسے عادت سی پڑ چکی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی ماسٹا کی کٹی کے لیے اس قسم کے سوال اس نے روزانہ ہی کر لیا کرتی تھیں۔
”ہوا! اندر سے مائی ای کی آواز سنائی دی۔“ یہ شکر باٹ خالی پڑا ہے اور ہاں آصف اور عبید بھی اٹھ گئے ہیں۔“
یو اس کا ڈپا اٹھا کر فوراً مائی اندر چل دیں تو بے چاری صبح سے پھر پھر کر بلکان ہو جاتی تھیں اس گھر میں ہر شخص کو اپنی من پسند چیز جگہ پر بیٹھے بیٹھے مائی چاہے تھی البتہ اس کے بعد دوسرے کے لیے کام پر تنقید کا فرض انجام دینے کے لیے کئی لوگ بخوشی ہر وقت تیار رہتے تھے۔
”پوریج بہت گرم ہے۔“
”سلا اس جگہ ہوئے ہیں۔“
”مر انہوں میں بھی زیادہ لگایا گیا ہے۔“ اور اس کے آگے عموداً۔ یہ گلا بھی سنائی دے جاتا تھا۔
”اچھا پرائیڈ کا نام بھی ایک آرٹ ہے۔ جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“
یہ تجزیہ مائی ای اور آپا بیگم کا پیش کردہ ہوتا اور وہ



دولوں ہمیں اپنی ہر رائے کو حرف آخر سمجھنے کی عادی نہیں۔ بڑا کا دل چاہتا کہ گھر میں موجود یہ "ناہر آرٹسٹ" زبانوں کو تکلیف دینے کے بجائے اپنے ہاتھوں کے جوہر کو منظر عام پر لائیں تاکہ وہ بھی ان کی استادی کی قائل ہو سکے مگر ایسا وہ صرف سوچ کر رہ جاتی کہنے سے کچھ حاصل بھی نہیں تھا محض نقصان کے اور جتنے بہت سے نقصانات وہ بچپن سے اب تک اضافی چلی آ رہی تھی ان میں مزید کسی اضافے کو وہ انور نہیں کر سکتی تھی۔

سائنس کا نرم سا کلرا جو اس نے دانتوں سے کاٹا تھا چائے کا ایک گھونٹ لے کر حلق سے نیچے اتار رہا تھا۔ اس کی نئی فرمائش کے ساتھ دوبارہ کچن میں آ چکی تھیں اور اب ان کے ساتھ تھیل ارشاد میں مصروف تھیں۔

صبح سویرے کابینہ میں اسے اب اذہر ہو چکا تھا اور اگر کوئی اس سے پوچھتا تو وہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں بہت روانگی کے ساتھ جانتی تھی کہ تالی ایا کا شہر پورن اور دوہ پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ تالی ائی اور تالی بیگم ویسی تھی کے رانٹے اور آٹھ پندرہ کتنی تھیں دونوں ہمیں ذرا بھی کونسل پرول کا شش نہیں تھیں دور حاضری میں بھاریں کا ذرا رائے ملے کوں کو ہاتھ کھینچ کر کھانے پر مجبور کئے رکھا ہے ان دونوں کو ان کی بھی مطلق پروا نہیں تھی۔ شانہ وزن کم کرنے کی فکر میں غلطی ر جتی سو اس کے لیے آواز جو اس کا اہتمام ضرور ہو تا تھا اب یہ انگ بات کہ ڈاٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر کچھا کچھی میں سب ہی کچھ کھالیا جاتا پھر آصف اور جید تھے جو کھانے پینے کی عادات میں بالترتیب اپنی والدہ اڑیں پر ہی کئے تھے۔

"کتنی بار کہا ہے کہ یہ جو سرفورا" صاف کر کے رکھا کرو مگر گھنٹوں ویسی ہی پڑا رہتا ہے۔" تالی ائی مخاطب ہوا اسے تھیں مگر رفیعہ ناشتہ اوجھڑا چھوڑ کر انھیں کھڑی ہو گئیں۔

"ارے نہیں تم آرام سے ناشتہ کرو یہ بیلہ دھو کر رکھو گی۔" تالی ائی نے خیر خواہی سنائی۔

"کوئی بات نہیں۔" رفیعہ ہولے سے مسکرائیں اور برش لے کر پیش ہوئے سیب کو جالی پر سے صاف کرنے لگیں۔ وہ اسی طرح بے نیازی سے بیٹھی رہی حالانکہ اسی کو یوں ناشتہ پیچ میں چھوڑ کر اٹھتے دیکھنا اسے اچھا نہیں لگا تھا مگر عادت سے مجبور تھی کبھی بھی اسے ان سب کے آگے دوڑو ڈر کر کام کرنا پسند نہیں رہا تھا اور اس کی ایسی کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کے لیے رفیعہ جیکم تو تھیں ہی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ شانہ کے ساتھ کیوں نہیں چلی نکلیں؟" تالی ائی کو اس کی یہ بے نیازی بیش چنچ محسوس ہوتی تھی۔

"بھئیے رادیر سے جاتا تھا آج۔" "جب گاڑی چلی جاتی رہی تھی تو بیٹھ جاتا تھا تھیں بھی اب رکشہ ٹیکسی میں پیسے بڑا دے گئے۔" انہوں نے سبیل کی انتہا کر دی وہ پونہر ٹی بیٹھ رہی سے جابا کرتی تھی آج اس کا پورٹ میس ہو گیا تھا مگر امبر نے کل کہا تھا کہ آج اس کے اہوان دونوں کو پتھر ڈوس کے موہا سی کے انتظار میں تھی۔

"اچھا ائی! میں جا رہی ہوں خدا حافظ۔" گاڑی کا بارن سن کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ بیلہ جاکس کے ساتھ رہی ہے۔" تالی ائی نے ذرا کمزور بڑھا کر کھڑکی کے شیشوں سے اس بار دیکھتے ہوئے سوال کیا حالانکہ چینی کی باڑھ کے ساتھ کھڑی ہوئی امبری گاڑی وہ دیکھ ہی چکی تھیں۔

"امبر کے والد ہیں وہی ان دونوں کو چھوڑ دیں گے۔" رفیعہ جو سر کو صاف کر چکی تھیں اور اب دیگر چھوٹی موٹی چیزیں سمیٹ رہی تھیں ناشتہ جوں کا توں رکھا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ تالی ائی کی موجودگی میں انہیں تک کر بیٹھنا نصیب نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے کئے بنائی مصروف تھیں۔

"یہ بھی کوئی بات ہے کہ کھڑکی گاڑی ہوتے ہوئے غیہوں کا احسان لیا جائے خیر بھالی! مرضی ہے ہم تو کچھ کہتے نہیں کہ بن پاپ کی پٹی ہے۔" تالی ائی اپنے آپ سے ہی مخاطب تھیں وہ بہت سی باتیں یوٹی بیٹھ

کسی کو مخاطب کیے کہہ والی تھیں۔ جب تک امبری گاڑی چلی نہیں تھی وہ بدستور کھڑکی سے جھانکتی رہیں۔

رفیعہ کیا کہہ سکتی تھیں ان کے بس میں ہوتا تو وہ زبردستی ہی بیلہ کو شانہ کے ساتھ کر دیتیں۔ مگر بیلہ سے اس کی مرضی کے خلاف کچھ بھی کر والیہ ان کے لیے حد درجہ مشکل ہوا کرتا تھا شانہ کالج سے یونیورسٹی تک کوئی باقاعدگی سے کلاسز نہیں دینے والی اسٹوڈنٹ نہیں رہی تھی اور کبھی کبھی یہ گاڑی کی سہولت اس کے فطیل حاصل کرنا بیلہ کو منظور نہیں تھا۔

"بیلہ ائی! میں جیسی ہوں مجھے رہنے دیجئے" میں آپ کو بہت نہیں کرنا چاہتی" اس لیے بار بار کسی بات سے انکار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

ابھی ایک روز بیلہ بہت سمجھانے بھانے پر بیلہ نے ان سے کہا تھا اور اس کے انداز میں جو چیز اسی تھی اسے رفیعہ نے غولی محسوس کیا تھا۔ "شام کو آؤں گے کون کون چل رہا ہے بھالی۔" یاد رہے دور سے ہی چلا کر پوچھا۔

بیلہ کا تھری سے چلتا تھا اسے اس وقت پر زور کا وہ سامنے سے آ رہا تھا۔

"گروپ آئیڈیلس ہیں ہے ہینڈکوک اور چند تو بڑے کمال کے آرٹسٹ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم جیسے آرٹ کے قدر دان وہاں نہ پہنچے تو بہت غلط بات ہوگی۔ ویسے ہی اس ملک میں بے چارے آرٹسٹوں کو ت بیلہ کی تیز نگاہوں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے اسے اپنی بات اوجھڑی چھوڑ کر پوچھنا پڑ گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے فہم میں کیوں دیکھ رہی ہو؟ "ایک کون سکون کا موجود تھا تمہیں یہاں بھی پہنچ گئے اور براہ کرم یوں چلا کر مت بولا کہ اندر بھی لوگ ڈسٹرب ہوں گے۔" بیلہ نے ذرا اٹھل سے کہا۔

امبری کی کھڑکی سے نیچے والے لان میں وہ اور امبر بہت دور سے مصروف تھیں۔

یاد رہے ذرا اسٹارٹر کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر

اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولا "تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ لاہوری کی کھڑکی مضبوطی کے ساتھ بند ہے اس لیے مزید کسی کے ڈسٹرب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم بھی زبردستی ہی ڈسٹرب ہو رہی ہو" امبر کو دیکھو ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔

"وہ تو خیر ریکس کر رہی ہے آخر اسی بک بک میں اسے زندگی بسر کرنی ہے۔" بیلہ نے دوبارہ ٹوٹس پر اٹھائیں جھانکیں۔

"اب میں کچھ نہیں کہوں گا" باہر بھائی کی توچن کا جواب دیا امبر کا فرض بنتا ہے۔

"باہر بھائی کا کیا ذکر ہے یہاں۔"

"امبر کے منگیتر جن کے ساتھ تھارے خیال میں بک بک میں اس کی زندگی گزرتی ہے۔"

"میرا اشارہ تمہاری طرف ہے سمجھو۔" بیلہ بہت کوشش کے باوجود بھی اس کے سامنے خود کو جھینٹانے سے نہیں روک پائی تھی "آخر تم کو بھی تو اسی گھر میں رہنا ہے۔"

"نہیں۔ جو زندگی گزارنے والی بات۔"

"یاد رہے" امبر کو دخل اندازی کرتی ہی پڑ گئی "میں بہت کام ہے، تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ ہمارا فائل سسٹم بالکل سر پر ہے اور تم بیلہ کیا ہے تو فوٹوں کی طرح اس سے سال جواب کرنے بیٹھ جاتی ہو۔"

بیلہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا بریادہ کے سامنے بار بار اسی ذرا مشکل مرحلہ ہوتا تھا سوارا بے نیازی برتتے ہوئے بولی "اب کیا کیا جائے اگر کوئی روزانہ آکر سر سوار ہو گا تو ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ ہے وقوفی تواناں سے ہو ہی جائے گی۔"

امبر نے لگی۔

"جتنا بتائی جاوے جس او میں ہے وقوف کی باتوں کا برا نہیں لگتا کہ" وہ بے حد اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

"بیلہ وقوف ہو گے تم خود۔" بیلہ پھر رہتہ سکی۔

"ابھی ابھی تم نے خود ہی بولا ہے!"

”بس بس۔“ امیر نے ہاتھ دوڑ دیے۔ ”یہ تم نے اپنے بچ نام میں اٹھ کر کہاں تک آنے کی تکلیف جس سلسلے میں گوارا کی ہے اس پروگرام کو فاصل کرو اور چلتے ہو۔“

”ہاں تو تم دونوں بتاؤ کس وقت چننا ہے اسی حساب سے میں بھی ٹائم نکالتا ہوں کوئی غارغ انسان تو میں بھی نہیں ہوں۔“

بیلہ کا دل تو چاہا کہ گئے ہاتھوں یاور سے یہ بھی پوچھ ڈالے کہ اگر وہ اتنا ہی مصروف رہتا ہے تو ہر چوتھے دن یونیورسٹی کا چکر لگانے کا ٹائم کہاں سے نکال لیتا ہے مگر اس سوال کے جواب میں بحث کا ایک نیا باب کھل جائے گا پورا پورا چانس تھا اس لیے خواہش پیدا کرتے ہوئے انتہائی کمر کمر کہ ”میں تو جانتی ہوں سبھی تمہارے جیسے جاؤ مجھے تو ابھی کمر جاتا ہے اور پھر شام کو اسی کے ساتھ خالہ کے گھر جاتا ہے۔“

”یہ تم خالہ کے گھر کے چکر بٹنی باقاعدگی سے لگاتی ہو آخر معاملہ کیا ہے؟“ یاور نے پوچھا تو پچھلے ہی کے انداز میں تھا ”پر تمہارے میں ایک بھٹی سی اچھن بھی تھی۔“

”ان کی بیٹی کی شادی ہوئے والی ہے ابھی بے چاری کئی دن سے وہاں جا رہی ہے مگر وہی ظاہر ہے کہ میرے ساتھ ہی جا رہی ہیں۔“ اس کے لیے میں پچھلی شرارت کو نظر انداز کرتے ہوئے بیلہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

”گو تو میں اگر تمہیں اور آتی کو چھوڑ دوں۔“ ”نہیں ہم لوگ چلے جائیں گے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ یاور کی خوش فہمی پر وہ مسکرا دی ”اس کے غلوں پر بیلہ کو ذرا برابر بھی شبہ نہیں تھا مگر اپنی ذات کے لیے وہ سروں کو تکلیف دینا اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھا۔

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھ کر ”تم دونوں اپنا پروگرام خراب مت کرو میری وجہ سے۔“ بیلہ نے کافی عرصے تک امیر سے کہا وہ اب گھر چلنے کے موڈ میں تھی اور ٹائم بھی اچھا خاصا ہو چلا تھا۔

”اوسے کوئی پروگرام دو دو گرام نہیں پھر کسی دن دیکھ لیں گے۔“ امیر نے لاپرواہی سے ہاتھ ملایا ”اول تو آج کل ہمیں ایسی عیاشی سوٹ بھی نہیں کرنی اور دوسرے اس فضول کوئی کے ساتھ جا کر کرنا بھی کیا ہے۔“

”اچھا اب زیادہ پرستی انیک کرنے کی ضرورت نہیں میں تو پونہسی ہمدردی میں آ گیا کہ لاؤسے چاوی۔“ لڑکیاں زمانے سے بے خبر کتابوں میں منہ دیے اس کو نے میں بڑی ہیں ”انہیں کچھ تفریح ہی۔“ یاد باقاعدہ ناراض ہو چکا تھا۔

ان دونوں کے ساتھ قدم مار کر چلتی ہوئی بیلہ نے پچھلے سے سوچا کہ اگر زندگی میں ان دو شخصوں کے ساتھ بھی نصیب نہ ہو تو وقت کا کشاکش قہر مشکل ہو آکر۔

سڑک کے کنارے رکشہ سے اتر کر بیلہ نے پیچے آرا کیے اور پھر امی کے ساتھ صفیہ خالہ کی غلی میں بیٹھ گئی۔

ان پتلی پتلی گلیوں میں رکشہ یا ٹیکسی کا گزر نہیں تھا۔ سننے والوں کے لیے تو خبر یہی تھی کہ گھر و موٹروں کا زور و شور ہو جانا تھا مگر وہیں سے یہاں آ رہی تھی مسودہ چار سو ڈکٹ کر چند لمفٹ میں ہی صفیہ خالہ کے گھر میں موجود تھی۔

خالہ کے گھر میں سب لوگ موجود تھے۔ سکندر ”بیٹا“ بنی گندو کے علاوہ خالو بھی گھر پر ہی تھے۔

”واہ بھئی! اچھی بسن ہو جو بسن کی تیار یوں میں رہ کر نے کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آرام سے لیٹی ہو۔“ خالو طہر کرنے کے عادی تھے بازو رو سکھ رفیقہ صفائی پیش کرنے لگیں ”تو ان سنی کرتے ہوئے بیلہ ”ہزار گز کے جنگل میں رہتی ہو ہم غریبوں کے گھر پر روز کے لیے آنے میں بھی تم کو تکلیف ہی ہوگی۔“ رفیقہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

بیلہ کو خالو کا اس طرح کرنا بہت برا لگا اس کی اسی

اس ہزار گز کے جنگل میں کتنے آرام کے ساتھ رہتی تھیں وہ تصویر اگر خالو دیکھ لیتے تو شاید انہیں شرمندہ ہونے کی توقع ہو جاتی مگر اس نے کبھی خالہ کے ہاں اپنے دو خیال کی برائی نہیں کی تھی یہ رفیقہ کی اسے اپنانے سے سخت بدایت تھی۔

”کسی کا احسان بھگا دینا بہت بڑی بے ایمانی ہے اور تمہارے تایا ایانے ہمارے سروں پر ہاتھ رکھ کر است برا احسان ہم لوگوں پر کیا ہے۔“ یہ بات وہ کئی مرتبہ بیلہ کے سامنے دہرائی تھیں ”اور اس احسان کا بار اٹھائے رکھنے کی کوشش میں خود کو بھگانے کی کوشش۔“

”ابا آپ بھی کیا بے کاری کرتے ہیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں خالہ کو بیلہ نے دن بعد تو کیا ہیں اور پھر ہم خود ان سامان کی خبر لینے جاتے رہتے ہیں۔“

سکندر کو بیلہ نے سندھی وہ اس کے سامنے کچھ اچھی لپٹ باتیں کرنا چاہ رہا تھا ”ایک یہ بے وقت کی رہائی سب سے زیادہ اسے ہی بڑی لگی۔

وہ منہ مٹاتے ہوئے اٹھ گئے۔ صفیہ خالہ نے منمنون نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔

”تم نے نام پر ان کی طرف سے ایک سسٹم اور ان کے لئے بھی کی یاد ہو جانا کرتے تھے رفیقہ کو لے کر اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

بیٹا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بیلہ سے اپنی شادی کی باتوں پر باتیں کرے پر سکندر کی موجودگی میں یہ باتیں نہیں ہو پا رہا تھا اس نے بیلہ کو وہاں سے اٹھانا دیا۔

”اوی بیلہ! یاور جی خانہ میں چائے بناتے ہیں۔“ ”تم جا کر چائے بناؤ“ بیلہ کیا کرے گی وہاں۔“ ”خیر برہا تھا اور اب جب سے سروں میں آیا تھا“ ”اسے ہی گھر والے اس سے دینے لگے تھے۔ بیٹا بھی

جب بھی نظر ملتی تو دولت نکال کر بننا شروع کر دیتے۔ بیلہ کو کوفت سی محسوس ہو رہی تھی وہ دونوں ہی خامے بڑے ہو چکے تھے ”جی نوس میں اور گندو آنکھوں میں بڑھ رہا تھا“ مگر صبر زبانی کو نہیں تھے وہ دانستہ دونوں کو نظر انداز کیے بیٹھی رہی۔

خالہ کے ہاں تربیت کی شدید کمی نظر آتی تھی۔ سکندر اس سے یونہی پرچائی وغیرہ کے متعلق پوچھنے لگا ”یہ جان کر کہ اس کا فاصل ایڑیاں ختم ہونے پر ہے وہ ہر ہوش سا ہو گیا۔

”اچھا کیا جو تم نے انگریزی ادب کا انتخاب کیا تھا؟“ ”نو کری ملنے کے زیادہ اونچے مواقع ملیں گے۔“ بیلہ مسکرا کر خاموش سی رہی۔

آگے کے بارے میں تو اس نے ابھی سوچا ہی نہیں تھا ”ہاں اتنا ضرور ملے گا کہ نو کری کرنی ہے۔ یہ بھی ابھی تک اس میں ہی محفوظ تھا“ ”تایا ابا سے بات کیے بغیر وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

”تمہارے تایا کے اچھے تعلقات ہیں کہیں بھی آگوا دیں گے“ میری بات کو کوئی اچھی براہیٹ جاب ڈھونڈتا وہ لوگ اچھے پے کرتے ہیں۔“ اس کی خبر خواہی پر وہ مایل رہی۔

بیٹا گندو کو آواز دے رہی تھی ”اسے غائب“ بازار سے کچھ منگوانا تھا چائے کے ساتھ رکھنے کے لیے۔

”میں نہیں جانا ٹیکسی اتنی دور ہے وہ بھی ایک کاتیاں تھا“ اپنے بلانے کا مقصد ہانپ کر وہیں سے انکار کر دیا۔

”کوئی دور نہیں ہے۔“ سکندر نے گھورا ”گلی کے کونے رہی تو ہے۔“

”تو گلی کا کونہ بھی تو دور ہے“ ایک جواب نے گھر بھی اتنا اندر کی طرف بنایا ہے ”ان کی کو بھیجا کہ چیزیں لینے۔“ اس نے مزید بد فہمی کا مظاہرہ کیا بیلہ سمجھ رہی تھی کہ اب سکندر اسے یقیناً ”جھاڑ پانے کا ٹکڑا“ وہ ایک دم ہٹنے لگا ”اس کے ہٹنے سے گندو اور شہ ملی پانچ روپے دو پھر جاؤں گا۔“ ”لے لے یہ پانچ روپے۔“ سکندر نے جیب سے

SCANNED BY

نکال کر اسے نوٹ پکڑا یا تو وہ فاتحانہ انداز میں نوٹ کو
نچا تا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اب سنی کی باری تھی وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر
سکندر کے پاس آ کھڑی ہوئی اسے بھی پیسے درکار
تھے۔ سکندر کو اپنی سخاوت دکھانی مقصود تھی سو ایک
دس کا نوٹ اس کی بھی نذر کیا۔

”لے لو بھی کیا یاد کرے گی۔“

خالہ کے گھر اسے میں زبان کی شائستگی کو ملحوظ رکھنے
کا بالکل بھی روان نہیں تھا۔ بے سے لے کر
چھوٹے تک ایک ہی نون میں بات کرنے کے عادی
تھے۔ بیلہ کا ان کے گھر میں ٹھوڑی سی دیر میں دل
جھبرائے لگتا تھا۔

جائے پائی گئی تو بیلہ ابی سے ملنے کا کہنے لگی مصفہ
خالہ کا ہمارا تھا کہ وہ لوگ کھانا کھا کر جائیں شراس کی
مرضی نہیں تھی اپنی انست میں سب سے اہم کام
تانی پینا کے جو ڈول گود کچھ کر ان کی بے حد تعریف بھی
وہ کر چکی تھی اور اب مزید سیال اس کے کرنے کے
لیے بوجھ بھی نہیں تھا۔

”مجھے کہ جا کر پڑھنا ہے خالہ! امتحان بالکل قریب
ہے۔“

”ہاں بھائی بیٹے لوگ ہیں ہم غریبوں کی طرح ہر
وقت فارغ نہیں رہتے۔“ خالو نے اس کا جملہ خور
ہی اچک لیا اور پھر رفیعہ کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے
بولے۔ ”اسی رفیعہ! اپنے بھانجے کے لیے کوئی کوٹھی
پٹنگے والی لڑکی دیکھ لو اس کے طفیل ہم بھی زندگی میں
آرام آسائیں و کچھ لیں گے۔“

بیلہ نے امی کی جانب دیکھا ان کے چہرے کی
مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی خالو کی بات سے وہ
رفجہ ہو گئی تھی اس لیے کوئی جواب فوری طور پر
نہیں دے پامیں گھر بیلہ کے خیال میں خالو کو جواب
دینا ضروری تھا اس لیے خاموش نہیں رہ سکی۔

”اسی کہاں آتی جاتی ہیں خالو جان! آپ کہیں تو میں
سکندر بھائی کے لیے لڑکی دیکھوں ایک سے بڑھ کر
ایک لڑکی نظر آتی ہے یونیورسٹی میں۔“

خالو تو ابھی امی کی حالت سے پوری طرح لطف بھی
نہیں اٹھاپائے تھے بیلہ کی بات پر گھسیا سے گئے۔

”کیوں نہیں ضرور! رفیعہ ایک بات ہے تمہاری
بچی تمہے بالکل ہی مختلف جا رہی ہے۔“

”اسی امی ہیں اور میں نہیں ہوں فرق تو ہوتا ہی ہے
خالو۔“ بیلہ کی مسکراہٹ پر اتفاق بھی خالو نے بھی
پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سنا تھا وہ۔

امی اور صفہ خالہ دونوں ایک دوسرے سے نگاہیں
چراغے کھڑی تھیں سکندر کا یا ہر کوئی دوست آیا ہوا تھا
اس لیے وہ اس وقت باہر تھا۔

رفیعہ اور بیلہ گھر سے نکلیں تو وہ ایک کرناڑیک آ
میاں میں کی بھی خواہش تھی کہ وہ لوگ ابھی رہیں۔
”میں خود رات کو جا کر چھوڑ آتا ہوں۔“ وہ بار بار پیش
کش کر رہا تھا غراب دیر ہو چکی تھی رفیعہ دھکے کے
مؤہ میں ذرا بھی نہیں تھیں۔

دکھڑ چلا تو بیلہ نے کینا کھیلوں سے ان کی طرف
دیکھا وہ کسی سوچ میں گم تھیں۔

بیلہ ان کی کیفیت کو سمجھ گئی تھی۔ خالو کی بات
نے انہیں تکلیف دی تھی بیلہ کو وہ شروع سے ہی
سکندر سے منسوب کرنے کا خواب دیکھ رہی تھیں۔
بیلہ کے بچپن میں بھائی خالہ نے ان کی کوئی بات چھڑی
نہیں سونہرائی کہ وہ بیلہ کا ہونا چاہتی تھیں۔

”اچھا ہی ہے بچتی جلدی امی کی خوش فہمی دور ہو
جائے۔“ بیلہ نے سوچا اور سچی بات تو یہ کہ امی کو تنہے
والی تکلیف کا خیال اپنی جگہ خالو سے تو خالو کی بات
سن کر ایک بڑا خوشگوار سا احساس ہو رہا تھا۔

♥ ♥ ♥
رفیعہ جس دن سے بسن کے گھر سے آئی تھیں
خاموش خاموش سی تھیں اور ان کے اس خاموشی کو
سب سے پہلے کیا بیگم نے نوٹ کیا وہ کئی برسوں سے
میں رہ رہی تھیں تالی امی اور ان میں انہیں میں گہری
ایڈر اسٹینڈنگ تھی شوہر کے انتقال کے بعد جب
انہیں وہی سے پاکستان شفٹ ہونا پڑا تو تالی امی کے
بعد اصرار پر وہ ان ہی کے ہاں رہ گئی تھیں اب اپنے

اکھوتے بیٹے عبید کی شانہ سے مٹنی کے بعد انہیں
فراغت سی فراغت تھی۔

”اے رفیعہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے اسکی
بھی سمجھی سی کیوں ہو رہی ہو۔“ اس روز وہ مارے
ہمدردی کے رفیعہ کے پاس آ بیٹھی تھیں پچھلے
پر آمد سے اور اس کی میز میوں پر نرم سی دھوپ پھیلی
تھی بیلہ نے کتابوں پر سے سر اٹھا کر ایک نگاہ ان لوگوں
پر ڈالی اور پھر دوبارہ کتابوں میں مت دے لیا۔

اس کا اور امی کا مشترکہ کمرہ گھر کی پچھلی سائڈ پر تھا
تالی امی اور کیا بیگم کے ذریعہ استعمال کرے یہاں سے
فاصلہ پر تھے بیلہ کے خیال میں یہ فاصلہ ان لوگوں کو
حافیت میں گئے ہوئے تھا۔

”اور اب جو یہ آتا بیگم تکلیف اٹھا کر یہاں تک چل
کر آتی ہیں۔“ بیگم اپنے مطلب کی کوئی نہ کوئی بات
کر کے جانے میں کامیاب رہیں گی۔“ بیلہ نے سر
جھکائے ہوئے سوچا۔

اور کی ہوا۔
کچھ دیر تک انہوں نے رفیعہ کے اپنی بس کے گھر
جانے اور پھر انہی کے رشتے کے قہے میں دھپکی ڈال پھر
ملتی رنگ پکڑی۔

”سے رفیعہ! اب تم بھی بس سے کہہ کر بیلہ کے
فرض سے سبکدوش ہو ہی جاؤ! اب تو اس کی مرضی
بھی ختم ہو رہی ہے اللہ کا نام لے کر یہ کام کر ہی
ڈالو۔“ رفیعہ ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

فوری طور پر سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا جواب
دیں۔

”بسب رشہ موجود ہے تو پھر دیر کرنے کی ضرورت
بھی کیا ہے میں تو خود عبید کی شادی کی فکر میں ہوں
بس ذرا الگ کمرہ کا انتظام ہو جائے پھر شانہ کو رخصت
کر اے لے جاؤں گی۔“

رفیعہ کا آؤ تا ہوا رنگ تو انہوں نے فوراً ہی بھانپ
لیا تھا۔ پر انجان بن کر مزید قریب ہونے کی کوشش
میں مصروف تھیں۔

بیلہ جانتی تھی کہ اس کی امی زیادہ دیر اپنی وجہ

آج کے
مشہور و معروف سلسلہ نگار
ایم۔ اے۔ راحت

کا مقبول ترین سلسلہ

شرکشی

اب کتابی صورت میں
چھپے کر تیار ہے،

مکمل سلسلہ 6 حصے

- پہلا حصہ ————— 50% بڑے
- دوسرا حصہ ————— 50%
- تیسرا حصہ ————— 50%
- چوتھا حصہ ————— 50%
- پانچواں حصہ ————— 50%
- چھٹا حصہ ————— 50%

6 مکمل حصوں کی قیمت / 300 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ / 16 روپے

مکمل 6 حصے ملگوانے پر ڈاک خرچ ضروری

منگوانے کا پتہ:

• مکتبہ عثمان ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی

فون: 7735021-2216361

• لاہور اکیڈمی

سرگرم روڈ لاہور فون: 7321690

پریشانی نہیں چھپا سکیں گی۔ بیلہ کے بچپن میں ہی جب اس کے والد حیات تھے اور وہ لوگ اتنے بے حیثیت بھی نہیں تھے، جس پر مسرت موقع پر امی، مائی ای کو جتا چکی تھیں کہ بیلہ کی خالہ نے بیلہ کو سکندر کے لیے ہانک رکھا ہے۔ انہوں نے تو محض ایک بار ہی ذکر سا کیا تھا، مائی ای اس قصے کو بار بار پھیر کر تازہ رکھنے کا سامان کیے رکھتی تھیں۔

”خیر تو سب کیا ان لوگوں کی مرضی بدل گئی ہے؟ لڑکے کی دلچسپی کہیں اور ہو گی؟ آج کل یہ پسند کی شادیوں کا بھی برا فیشن نکل چلا ہے۔“ انہوں نے ایک ساتھ کئی تیر چلائے اس امید پر کہ کوئی تو نشانے پر بیٹھنے لگائی۔

بیلہ نے ایک لمبائی سانس لے کر کتاب بند کی اور اپنے کانڈ اور فائل سمیٹ کر اندر آنے کمرے میں چلی آئی، اپنی موجودگی میں اس بے بنیاد رشتہ کا ذکر تک اسے گوارا نہیں تھا۔

امی بے چاری کی بھی کوئی غلطی نہیں تھی، مائی ای اور تپا بیگم کا ذرا سا التفات بھی ان کے لیے بہت ہوتا تھا، مدت سے عملی کی زندگی گزار رہی تھیں انہوں کی جو مختصر ترین لسٹ ان کے پاس تھی اس میں یہ دو نام سر فہرست تھے امی نے سارا قصہ تپا بیگم کو کئی الفاظ میں گوش گزار کیا یہ تو بیلہ کو معلوم نہیں ہو سکا، اس رات جب وہ آیا ابا کے بلانے پر ان کے کمرے کی طرف جاری تھی، شانزہ اچانک ہی اس کے سامنے آ گئی۔

”کیا حال ہے بیلہ! کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔“ وہ بہت تپاک سے کہی۔ بیلہ ہلکے سے مسکرا دی۔ شانزہ کے اس دھوپ چھاؤں والے موڈ کو اب وہ اچھی طرح جان چکی تھی۔

”تایا ابا نے بلایا ہے، ذرا ان کی بات جا کر سن لو۔“

”ایمانے کیا بات کرنی ہے؟ وہی پڑھائی کا پوچھیں گے یا یہ کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور بس۔“ اس کی قیاس آرائی پر بیلہ کو کسی تبصرہ کی ضرورت

نہیں تھی سو مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

”میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں اپنے کمرے میں۔“ پیچھے سے اس کی آواز سنائی دی۔

”الٹی خبر! بیلہ دھیرے سے پڑھائی۔“

تایا ابا کے ساتھ وہ بھی بھی فری نہیں ہو سکی تھی۔

تھے بھی بے حد بزدل اور غیر جذباتی قسم کے انسان اپنی ساری صلاحیتیں انہوں نے پیڑھے کمانے میں صرف کی تھیں اور اس میں کامیاب بھی رہے تھے بیلہ ان کے اکلوتے مرحوم بھائی کی نشانی تھی مگر بہت سوچنے پر بھی اسے یاد نہیں آتا تھا کہ آیا ابا نے بھی اس سے اپنے بھائی کی یادیں شیر کی ہوں یا اسے گلے لگا کر وہ آگے بڑھنے کا فیصلہ انجام دیا ہو۔

اسے آیا ابا سے بنی سخت شکایتیں تھیں اور وہ حقیقت تھیں ہی بس ان سے ہی گھر کے دیگر افراد کے رویے کا سبب بھی وہ آیا ابا کے بعد کوئی گروہ بندی تھی۔

”ہوں! اور دیگر کیا مصیبتیں ہیں تمہاری آج کل؟“

”جی! بیلہ نے اپنی جگہ ہوئی گردن اور اٹھائی ابھی وہ ابھی وہ انہیں اپنے امتحان کے سر پہنچنے کی اطلاع دے چکی تھی، ”ابھی جان لینے کے بعد اس کا نہیں خیال تھا کہ آیا ابا کے پاس اس سوال کی مخالفت ہو چکی ہے۔“

”اچھا کسی قسم کی مدد تو درکار نہیں ہے تمہیں میرا مطلب ہے پڑھائی کے سلسلے میں۔“ بیلہ کی آنکھوں میں چھپی چرت کو بھانپ کر انہیں شاید خود ہی اپنے سوال کے فضول ہونے کا احساس ہوا تھا، اس لیے بات بدل گئے وہ اس کے بالکل سامنے اپنی خصوص کر سی پر بیٹھ گئے اپنے قیمتی سوٹ اور گرے ہاتھوں کے ساتھ وہ اس عمر میں بھی بے حد شاندار دکھائی دیتے تھے۔

”جی! نہیں تو آیا ابا میری تیاری مکمل ہی ہے۔“

”گھر! بیلہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ آج انہوں نے اسے

معمول سے زیادہ وقت دیا ہے، ان کے موبائل کی بیل سنی بار ہو چکی تھی وہ اسٹینڈ کرتے ہوئے بھی انہوں نے اسے رکے رہنے کا اشارہ کیا۔

”بھلا کچھ ہو سکتی ہے اس تبدیلی کی۔“ وہ سر جھکائے قیاس آرائی کرتی رہی، آج انہوں نے کئی باتیں، محض بات برائے بات کی خاطر کی تھیں۔

تایا ابا کو کہیں غرور پہنچنا تھا، فنون پر ان کی گفتگو سے وہ اتنا تو سمجھ چکی تھی اس لیے جب وہ بات ختم کر چکے تو وہ فوراً ہی بول اٹھی۔ ”اب میں جاؤں آیا ابا۔“

”ہاں! ہاں بس میں بھی چلا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے کھڑے ہوئے سے ان کا دروازہ قند اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔

بیلہ ان کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ بھر کے لیے کھوس گئی اس کی امی جانی تھیں کہ آیا ابا اس کے ایام کی حد مشابہت آتی ہے وہی خیال دل کو چھوتا ہوا گزر گیا۔

”کسی بات کی فکر مت کیا کو بیٹا! میں ہوں نا۔“ انہوں نے بولے سے اس کا سر تھپتھپایا۔ بیلہ حیرت زدہ سی ان کی شکل دیکھ گئی۔

”یہ آیا ابا ہی تھے۔“

معلوم نہیں اس سے سننے میں کوئی غلطی ہوئی تھی۔ بیلہ نے امید بھری نظروں سے ان کی جانب دیکھا کہ شاید ان کی جانب سے کچھ اور عطا ہو، پر وہ اپنا برا بے نیازی کا چولا پھر سے پہن چکے تھے، مگر کربک شہادت میں سے کچھ ٹوٹنے لگے۔

”ذرا ذرا سیور کو کھلوانا کہ گاڑی نکالے، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

یہ مشکل تھا کہ اب اسے باہر چلا جانا چاہیے ان کا پیغام آگے زانے سے کر کے وہ اپنے کمرے کے طرف جاتی رہی تھی کہ شانزہ کا خیال آیا، ”اوس کے روگے پن کی بنا پر خود بیلہ نے بھی کبھی اسے زیادہ لگت نہیں دی تھی۔“

پراب جبکہ وہ اصرار سے بار رہی تھی تو نہ جانا بھی پرے درجے کی بد اخلاقی تھی سو چلی آئی شانزہ

اس کی کھڑ تھی۔

ابتدائی چند منٹ تو اس نے اس بات پر حیرت کرتے ہوئے گزارے کہ وہ آخر تایا ابا کی بیٹی میں کیسے اتنی دیر بیٹھ گئی ہے۔

”وہی ایک جیسی ان لوگوں کی باتیں ہیں جو ہر بار نئے سرے سے دہراتے ہیں، اور آیا تو پھر بھی شہیت ہیں وہ ہماری خالہ! آیا بیگم۔“ اس کے چہرے پر پچھلی طعنیہ مسکراہٹ کمری ہوئی، ”انہیں برداشت کرنا تو ناممکنات میں سے ہے میں نے تو عید سے صاف کہہ دیا ہے کہ اپنی امی کو کنٹرول کرو، ورنہ میں زہد دار نہیں۔“ وہ لاہر والا انداز میں بولے چلی جا رہی تھی۔

”ترسے مجھے بلایا کیوں تھا؟“ بیلہ کو اسے تو کھاروا، ورنہ مستقبل کی ممکنہ ساس کے متعلق شانزہ کا بیان ابھی کافی دیر چلتا۔

”وہ ہاں! اس نے جو سمجھتے ہوئے کہا انداز سراسر ایسا تھا جیسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا ہو، حالانکہ بھولی ہوئی وہ کچھ نہیں تھی، مائی ای کی جیسی کے قصے تو اسے مینڈوں بعد بھی اندر رہتے تھے یہ تو محض چند کھٹے پلے کا ذکر تھا۔

”وہ سنا ہے تمہاری مٹکی ٹوٹ گئی ہے۔“

”لا حول ولا قوہ!“ بیلہ منہ ہی منہ میں بیڑھائی، پھر ذرا دیر سے بولی، ”مٹکی ہوئی کہاں تھی؟ جو ٹوٹی؟“

خواجہ ابا ایکس بات کو۔

”خیر بات تو تھی نا! مجھے تو ج بہت افسوس ہوا۔“

”کوئی بات نہیں تھی۔“ وہ بے حد چڑ سی گئی تھی اور تمہیں بھی افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، خود ہو گئی ہے۔“

بیلہ کے لیے اب وہاں ایک منٹ رہنے کی مخالفت نہیں تھی، زبردستی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا ہے کبھی بھی نہیں آیا تھا اور شاید اسی لیے گھر میں اس کے بچپن سے ہی بہت آسانی کے ساتھ اس کی خود سری کے چرچے عام ہونے شروع ہو گئے تھے۔

اسی سے ایک لفظ کے بغیر وہ ستر میں گھس گئی۔

کتاب اٹھانے کو ذرا بھی دل نہیں چاہا، ایک بے بنیاد بات کو جس طرح گھر میں ایٹھوٹایا جا رہا تھا وہ اگلے

کئی دن تک موڈ خراب رکھنے کے لیے کافی تھا۔
بیلہ کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگی،
غصہ کی حالت میں وہ عام طور پر ایسا ہی کیا کرتی تھی سو
کراٹھنے کے بعد سوڈ کی خرابی میں بہر حال کمی ضرور
واقع ہو جاتی تھی اس وقت بھی یہی سلسلہ آزمایا۔

نیت سے بوجھل ہوئی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس
بے یہ ضرور سوچنا چاہا کہ آیا ایک آج کے رویہ میں
محسوس ہوئی تبدیلی کی وجہ بھی یقیناً یہی اطلاع ہو
گی۔

"ہند بے کاری بہد رویاں۔"
پر کچھ بھی تھا ان کا نہیں ہونا، "اچھا لگا تھا۔"

وہ اپنے فائنلز سے فارغ ہوئی تو کئی دن تھکان
آگرنے کی ہی نذر ہو گئے جی بھر کر سونے اور اسی سے
باتیں کرنے کے علاوہ کسی دوسرے کام کو مشغول سے
نہیں جانتا۔

خالہ کے گھر کی شادی میں ہفتہ بھر رہ گیا تھا۔ اسی
بے دلی سے تیاری میں مصروف تھیں۔ انہوں نے
اس سے ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ بھی اپنے کپڑے وغیرہ
پنالے شاید ان کا ارادہ اسے لے جانے کا ہی نہیں
تھا۔

بیلہ کا خیال تھا کہ اسے جانا چاہیے اس کے نہ
جانے سے بہت سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا کہ وہ وہی
سے، غمزہ ہے اور یوں انہیں خوش ہونے کا موقع مل
جائے گا سو مخالفین کو متوقع خوشی سے محروم رکھنے کے لیے
اس نے بیٹا کی شادی میں شرکت کا پروانچہ راپر وگرا ہٹا
لیا۔

کپڑوں کا جائزہ لیا تو سخت آہوس ہوئی۔ یونیورسٹی
آنے جانے کے حساب سے تو اس کے پاس پھر بھی چند
ایک سوٹ تھے، شادی میں شرکت کے لیے ایک
بھی ڈھنگ کا جوڑا نہیں تھا۔

"اب کیا کیا جائے؟"
یہ سوچ خاصی سرزد کھانے والی تھی بیلہ کو تو یاد بھی
نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کب سے کسی شادی میں

شرکت نہیں کی تھی شاید بچپن میں شوق شوق میں
ای کے ساتھ بھی عزیز رشتہ داروں کے ہاں شرکت ہو
گئی ہوگی ورنہ نوے سے میزک اور پھر کالج میں آتے
آتے وہ خود کو بے حد محدود کر چکی تھی اسی خود ہی پائی
ای اور ان کی فیملی کے ساتھ جہاں جانا ضروری ہوتا
تھی جاتیں۔

اس نے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی تھی اس لیے
اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسی تک اپنی بھوری
کیسے پہنچائی جائے انہوں نے خود ہی بھانپ لیا۔

"تم کیا کرو گی وہاں جا کر؟ بے کاری میں پریشان ہونا!
آپ کا سارا سہارا ہے گا، تم کو کسی سے واقف بھی نہیں
ہو، آئی نے ایک بار پھر اسے باز رکھا جانا۔"

اس سے پہلے وہ بیلہ کو ڈرائی رہتی تھیں کہ اس کا
حقیقہ خالہ کے ہاں جانے سے اجازت کرنا ان کے لیے
کس قدر دکھ کا باعث بنتا ہے۔

بیلہ کو انہیں ان ہی کی بات یاد دل کر شرمندہ کرنا
ہرگز بھی منظور نہیں تھا اس لیے مسکراتے ہوئے بولی
"یہی اسی اسی میں دل چاہ رہا ہے اگر آپ کی مرضی ہو
تو۔"

یوں اپنے اور سارا بوجھ آتے دیکھ کر اسی سے رہا نہ
گیا، کچھ عرصے کے بعد تو اس نے کسی خواہش کا
اظہار کیا تھا اس نے بھر پور لڑائی لڑی ہوئی اتنی جلدی
لگا کر تھیں اور ایک ان کی بیٹی بھی خاموش ہٹنے
والی بات پر بھی مسکراتے سے کام نکالنے والی، اور
مسکراتی ہی وہ امیر سے دوستی کے زمانے میں سیکھ پائی
تھی ورنہ یوں ہی ہر ایک سے خفا خفا کھاتی رہتی۔

"اپنے لیے کوئی کپڑے بناؤ پھر۔" بیلہ کے ہاتھوں
میں انہوں نے پیچھے پکڑائے "امیر کے ساتھ جا کر لے
تو آؤ، میں لے آؤں ہی کہتے رہے ہیں۔"

دن واقعی کمی ہی رہ گئے تھے بیلہ کو اس معاملے میں
فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، خود اسے حالانکہ
تجربہ نہیں تھا پر امیر کو ایسی ہنگامی صورت حال سے
بچنے اکثر دیکھا تھا سو اسے فون کیا۔

امیر گھر پر ہی تھی حسب توقع سارے مسئلے کو

چنگیوں میں حل کرنے کے واسطے کے ساتھ ساتھ
اس نے فوراً "پلی ٹو کی مائیک" کی۔

اسی سے کہہ کر وہ میٹ سے نکل ہی رہی تھی کہ آیا
ابا بھی باہر جاتے کھانا لائے۔

"چلو بیٹہ جاؤ، میں پیچھوڑتا ہوں۔" اس کا پروگرام
جان کر وہ اس سے کہنے لگے۔

امیر کا گھر دور نہیں تھا۔ ان ہی کے بلاک میں چند
گلی آگے تھا اور بیلہ اکثر وہاں پیدل ہی چلی جایا کرتی
تھی۔ اس وقت بھی اسے آیا ابا کی مریانی کی خاص
ضرورت نہیں تھی۔

"میں پلی جاؤں گی آیا ابا، قریب ہی تو ہے۔" جب
اس نے دو دروازے پر پہنچ کر اپنی ٹانگیں ڈال دیں تو اس وقت
کسی کو خیال نہیں آتا۔ بیلہ نے سوچا اپنی شکایتیں
اسے جیسے ہی سامنے رکھ دیا کرتی تھیں۔

آیا ابا اصرار کرتے لگے۔

"بیٹہ جاؤ، اب ایسا بھی کیا تکلف۔" قریب کھڑی
آئی اسی کی چٹائی پر بٹے بل نظر آ رہے تھے وہ مزید
بحث سے بچنے کے لیے بیٹھ گئی۔ مائی اسی بھی ساتھ
تھیں۔

آیا ابا کی۔ نسبت وہ خاصی دلی دہائی پر سنائی کی
مالک تھیں اس بات کا خود اس میں بھی شک نہ ہے
احساس تھا اسی لیے ان کے ساتھ کہیں جاتے ہوئے
وہ بڑے اہتمام سے کام لیتیں۔ اس وقت بھی برزے
کی پچکن کے ساتھ ٹازک سی جیولری پہن کر انہوں
نے خود کو گرلیس فل ثابت کرنے کی پوری کوشش کی
تھی مگر افسوس کہ ان کا بے حد بھاری بھر کم ہونا ان کی
اس طرح کی ساری کوششوں کو بیکشہ ہی ناکام کر دیا کرتا
تھا۔ آئی اسی نے یہ مختصر سا سفر خاموشی سے گایا۔

بیلہ جانتی تھی کہ اس میں اس کا ساتھ بیٹھنا اچھا
نہیں لگا تھا وہ ایسی ہی تھیں بے حد چھوٹے دل کی
مالک، بیلہ انہیں بچپن کی حدود پار کرتے کرتے سمجھ
چکی تھی۔

بچپن میں جب وہ بقیہ گھر والوں کے ساتھ کھانے
لنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی اس وقت وہ بہت سی

باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھی، فی وی دیکھنے کے برائے
شازادہ اور آصف کے ساتھ بیٹھنا اسکول جاتے وقت یا
باہر کے کسی بھی پروگرام میں اس کی شمولیت سب سے
کچھ آئی اسی کی برداشت سے باہر ہوتا تھا اور پھر وہ
کچھ اس صفائی سے بیلہ کا یہ کانٹا کہ اسے خود بھی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ان معاملات میں ان کی
ممارت غضب کی بھی پیشہ روی ہو اور انہوں نے چاہا
بیلہ نے بھی خود کو ان کی پسند کے مطابق ڈھال لیا۔ گھر
اور گھر والوں سے اس کی وابستگی نہ ہونے کے برابر ہی
رہ گئی پر اب مشکل یہ تھی کہ مائی اسی کو اس کی بے
نیازی سراسر خود سری اور بد فہمی محسوس ہوئی تھی۔

امیر و میو کی رہائش گھر کے اوپر کی تھیں جس میں کسی
چلی منزل انہوں نے کرائے پر دے رکھی تھی امیر کے
والد سرکاری ملازم تھے اور یہ گھر انہیں اپنے والد یعنی
امیر کے والد کی طرف سے ملا تھا۔

بیلہ میٹر عیاں چڑھ کر اور پہنچی تو امیر بٹھری تھی۔
"کچھ جائے واسے ہو گی یا اس چل دیں۔"
"نہیں ابھی کچھ نہیں۔" بیلہ منع کرتی ہوئی بچن کی
طرف چلی گئی امیر کی اسی وہیں تھیں۔

بیلہ کو وہ بہت جلد بھی قلمی تھیں، شفیق مہراں، بلکہ
وہی کیا امیر کے ابو بھی ان ہی عادات کے حامل تھے ان
کے گھر کی قضا میں چار سو پھیلا سکون آنے والوں کو
متاثر کیے بغیر نہیں رہتا تھا۔ بیلہ نے بار بار اس گھر کا
موازنہ کیا ابا کے گھر سے کیا تھا۔ جہاں گھر کے اخیر
پر توجہ دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ امیر
کے گھر میں اس چٹکے رنگ کا سواں حصہ بھی نظر نہیں
آتا تھا مگر پھر بھی اس کی خوب صورتی ایک مکمل تاثر
دیتی تھی۔ گھر یقیناً "اپنے بچنوں کی شخصیت کے آئینہ
دار ہوتے ہیں۔" بیلہ نے اس بات کی حقیقت کو جان لیا
تھا۔

امیر کی اسی اصرار کرنے لگیں کہ وہ واپسی میں کہنا
ان ہی کی طرف کھڑا کر جائے "میں چھوٹے اور کتاب
بنا رہی ہوں اگر تم نے نہیں کیا ہے تو میں ناراض ہو
جاؤں گی۔ وہ بہت خلوص پر رہتی تھیں۔

"کیسے نہیں کھائے گی ای میں کان سے پکڑ کر سیدھا پیس لے آؤں گی۔" امبر نے بھی ان کی بات سن لی تھی اس لیے فوراً تسلی ہوئی۔

بیلہ کے پاس اب کہنے کے لیے کیا تھا سو مسکرا کر چپ رہی۔

"بیلہ! امبر کو ایک دم ہی کچھ خیال آیا۔"

"ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ تم میرے کپڑوں میں سے کوئی دو چار سوٹ اچھے سے نکال لو شادی میں پہننے کے لیے۔" اس اچانک تجویز پر وہ کڑ پڑا سی مٹی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کس طرح امبر کو منع کرے جو اسے برا بھی نہیں لگے۔

"وہ ایسا ہے کہ۔"

"کیا ایسا ویسا بس جو میں کہہ رہی ہوں وہی کرو چلو نکالو میری لٹاری میں سے کپڑے بلکہ تم کیا نکالو گی میں خود ہی سلکٹ کرتی ہوں۔"

"بات تو سنو امبر! ایسا ہے کہ ابھی تو میرے ساتھ چلو دیکھو نا اسی ہمارے سہی کپڑے ہی بنا لوں گی" ورنہ پھر وہ جائیں گے۔" بیلہ بڑی مشکل سے بات بنالائی۔

امبر کے دماغ میں جو بات تھابت تھی اسے نکالنا پھر اتنا آسان نہیں ہوا تھا اس وقت بھی بڑی مشکل سے وہ اس شرط پر راضی ہوئی کہ اس کے کپڑے لے کر ضرور جائے گی بیلہ کو ماننا پڑا۔

"اچھا بابا مان لی تمہاری ہر بات پر اب تو چلو بازار۔"

"چلو! امبر اٹھ کھڑی ہوئی۔

بازار میں گھومتے ہوئے امبر کو کئی اہم خبریں یاد آتی رہیں جو ان دنوں ملاقات نہ ہونے کے سبب وہ بیلہ کو سنائیں پہلی تھی اور ان میں سب سے اچھی خبر یہ تھی اس کے ابو نے اپنے کسی دوست سے بات کر لی تھی جو اپنی فرم میں ان دنوں کو خوشی ملازمت دینے کے لیے آگاہ تھے۔

"یعنی رزلٹ سے پہلے ہی! بیلہ کو خوشی کے مارے یقین ہی نہیں آیا۔

"ہاں تو رزلٹ بھی آئی چلے گا اور ہم کون سے ایسے تالان اسٹوڈنٹس ہیں جو تم لوں حیرت کا اظہار کر رہی ہو۔"

پھر کبھی امبر ڈرامہ سوچو تو۔۔۔۔۔"

"اب جو بھی سوچتا ہے گھر چل کر سوچتا" یہاں راستے میں جم کر کھڑی مت ہو جاؤ۔"

بیلہ بے حد خوش تھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی خواہش اس کی برسوں کی تھی حالانکہ مالی طور پر اسے کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا تاہم اب اس نے اسے اچھے سے اچھے اسکول و کالج میں بڑھایا تھا اور بھی اگر وہ کسی چیز کی خواہش کرتی تو یقیناً حاصل کر سکتی تھی پر غیریت کے جس گہرے احساس نے اس کے دل میں بسیرا کر لیا تھا اس نے کبھی مکمل کر خوش ہونے ہی نہیں دیا تھا۔

"اے! تم دونوں کہاں گھوم رہی ہو بھی۔"

شاہینک سینٹر کی سڑکیوں سے اترتے ہوئے بہت مانوس آواز پر وہ دونوں ہی جو گئیں۔ سانسے یاد رکھنا تھا۔

"یہ بھی کوئی خواتین کو پکارنے کا انداز ہے" اے او۔" امبر اس کے قریب پہنچتے ہوئے بولی "اور تم میرا خیال ہے کہ اپنے اس کے ماہ پر یکہ پائے جاتے ہو۔"

"آفس کی مجھ سے زیادہ فکر کرنے والے ماشاء اللہ دو لوگ اور بھی ہیں بابا اور آذر بھائی۔"

"اور تمہاری فکر کرنے والا" بیلہ بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھی۔

"اگر انہما دوست کر دیتی میری فکر کرنے والا نہیں بلکہ فکر کرنے والی ہو گی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کہاں ہے؟ کیسے ہے؟ اور یہ۔"

"بس بس! بیلہ جانتی تھی کہ اسے اگر نہ روکا گیا تو وہ بات کو نہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔

وہ دونوں اپنا کام مکمل کر چکی تھیں اور اب گھر جانے کی فکر میں تھیں۔

"چلو اب ہم لوگوں کو ذرا گھر تک پہنچا دو۔" امبر

ہونے والی بھابھی کے ساتھ سکی پچا زاد ہونے کا بھی حق جانتی تھی۔

"کیسے تم اس وقت یہاں کرنے کیا آئے تھے؟"

"شاہینک سینٹر میں کیا کرنے کے لیے آیا جاتا ہے؟" یاد رکھو گاڑی کو پک کر کے نکالے گا! امبر اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی اور بیلہ پیچھے بیٹھی تھی۔

امبر اسے صحیح طور پر ریٹ کرنا جانتی تھی اس لیے کئی باتوں کو ان سنی کر جاتی سانسے ڈیش بورڈ پر رکھا ایک چھوٹا سا پیکٹ اسے نظر آیا تو اسے اٹھا کر کھولتے ہوئے بولی "اچھا تو یہ شاہینک ہوئی ہے" ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔"

"ارے! کونسا دوست! امبر بابا! اس کے احباب کی پروا کیے بغیر امبر صرف کھول کر اطمینان سے دیکھ کر چلی گئی بلکہ مزید سانسے کے لیے پچھلی سیٹ پر بیلہ کو بھی پیکٹ پڑا دیا تھا۔

ایک بے حد خوب صورت اور نازک سا برسلٹ تھا جو یقیناً قیمتی بھی ہو گا۔

"بہت نعلیات بات ہے تم لوگوں کو تو مہینوں پہلو کر بھی نہیں مگروں ہے۔" یاد رکھو تاراض ہونے لگا۔

"پر تم نے یہ کیا اس کے لیے ہے کہیں مجھے تو افسوس نہیں کر رہے ہو۔" امبر نے اس کی کھلی پروا بھی تو دینے بغیر انکو اسی شروعات کی۔

"ارے بابا ایک دوست کی شادی ہے اس کو گفٹ دینا ہے۔"

"کون سا دوست" تمہارے سب بی دوستوں کو تو ہم لوگ جانتے ہی ہیں۔" امبر کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"افس میں کام کرتا ہے تم لوگ نہیں ملی ہو۔"

پچھلی سیٹ پر بیٹھی بیلہ خاموشی سے یہ بحث سن رہی تھی جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یاد ان لوگوں سے جوٹ بول رہا ہے اور یہ بات خاصی حیرت انگیز تھی۔

ان لوگوں کو اتار کر بھی وہ زیادہ نہیں رکا بس امبر کی اہی سے دعا سلام کر کے واپس چلا گیا۔ آج پہلی بار وہ

اتنی جلدی میں محسوس ہو رہا تھا۔

بیلہ نے چاہا بھی کہ امبر سے یاد کے ممکنہ جھٹ کے بارے میں کچھ دستکش کرے پر امبر نے اس کے کپڑوں کے مسئلے میں خود کو پوری طرح انالو کر لیا تھا اور اب وہ کسی اور بات کو سننے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی لائے ہوئے کپڑوں کی سلائی سے لے کر اپنی وارڈ روپ میں سے سلیکشن سب کچھ اسے آج ہی مل کر ڈالنا تھا سو بیلہ بھی کچھ نئے سے باز رہی۔

ہاں! اتنا ضرور ہوا کہ ایک مصروف دن گزارنے کے بعد جب کہ اپنی دانست میں وہ اپنے اہم مسائل سلجھانے میں تو بے حد کامیاب رہی تھی رات کو دیر تک یاد کے بارے میں سوچنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکی۔

ایک نامعلوم سی تبدیلی جو آج محسوس ہوئی تھی دل کے لیے قدرے اہم تھی "وہ تازک سا برسلٹ بار بار نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا جسے نہ جانے کس کلاں کی زینت بننا تھا۔

خیال کی پرواز کو بھلا کون روک سکا ہے؟ وہ بھی ان گنت قیاسے لگاتی رہی جن میں کوئی بھی خوش کن نہیں کہا جاسکتا تھا۔

"حد سے بھی قدرے گی میں پہلے ہی پورے کیا کچھ کم سے بڑھ کر انجینئر کی جائیں۔"

کافی دیر تک پریشان ہو لینے کے بعد اس نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے رضائی میں منہ چھپا لیا۔

بہت سال پہلے جب یاد کے والد بھی بیلہ کے تیار کیا کے گھر سے چند گھر چھوڑ کر رہا کرتے تھے ان ہی دنوں ان تینوں یعنی بیلہ یاد اور امبر کی دوستی کی شروعات ہوئی تھیں۔ یاد ان لوگوں سے چار پانچ سال بڑا تھا اور اسکول چاربا تھا جب اس کی اور امبر کی بیلہ سے دوستی ہوئی تھی "اور یہ دوستی اس تیزی سے گہری ہوئی چلی گئی کہ بیلہ کو آج تک اس پر حیرت ہوئی تھی۔

کچھ عرصے بعد جب امبر اور بیلہ یاد کے اسکول میں ہی داخل کرائی گئیں تو باقاعدہ اسی کی سرپرستی میں

جلی گئیں ان کے اٹھنے بیٹھے کھانے پینے پر حال کی کھائی غرض کہ اسکول سے متعلق سارے معلومات کا حساب کتاب وہی رکھنے لگا تھا اور آج تک دخل اندازی کی عادت اپنانے ہوئے تھا اب کچھ سال پہلے یاور کے والد اس گرانے کے گھر کو چھوڑ کر غاصے فاصلے پر اپنے ذاتی بنائے ہوئے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے مصروفیات اور فاصلے دونوں ہی بڑھ چکے تھے۔ بیلہ اور امیر لڑکیاں ہونے کے سبب ایک دوسرے سے زیادہ قریب تھیں پر یاور بھی بہر حال اس شلٹ کا تیسرا زاویہ تو تھا ہی۔

صیفہ غلام کے گھر اس روز خالو کے گئے چیلہ کا بہت برا ہانا گیا تھا۔

صیفہ خالہ نے اپنی ناراضی چھپانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور اپنی بہن اور بیلہ کے رخصت ہونے ہی وہ یہ قصہ لے بیٹھیں۔

”ضرورت کیا تھی اس قدر بے تکلی بات کرنے کی؟ کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ میں بیلہ کے لیے رفیعہ سے بات کر چکی ہوں۔“

”کیسی بات“ انہوں نے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی پر وہ بہت برے اداکار ثابت ہوئے ان کے زبردستی کے چہرے پر پچھلے بے اثرات صیفہ کا پارہ اور چڑھا گئے تھے انہوں نے اور بھی بہت کچھ کہہ ڈالا خالو کو مطلبی اور لاچکی تک نہ ڈالا۔

”ہاں ہاں ہوں میں لاچکی خود غرض! آجی ساری مصلحت اندیشی ایک طرف رکھ کر وہ اپنے اصلی روپ میں نظر آنے لگے ”ساری زندگی اپنی جان رگڑ کر بھی جو کچھ میں حاصل نہیں کر پایا“ وہ سب اب میں اپنے بیٹے کے عقل پاکر دکھاؤں گا اس کو پالا، بڑھایا کھلایا، کیا اس پر ہمارا پیسہ خرچ نہیں ہوا ہے جیسے اب ہم وصول کریں۔“

زندگی بھر میاں سے بری بھلی سننے کے باوجود بھی صیفہ کو ان سے اس قدر گری ہوئی لذت کی توقع نہیں تھی لیکن اب جب وہ مکمل ہی گئے تھے تو سارے

تکلفات ایک طرف رہ گئے تھے۔

”بچپن میں تو میں نے اس خیال سے مخالفت نہیں کی تھی کہ اس وقت بیلہ کا باپ زندہ تھا، وہ دونوں بھی اچھی پوزیشن والے دھتے تھے ان لوگوں کے ساتھ ہمارا کچھ بھی اچھی طرح سمیٹ ہو سکتا تھا۔ مگر اب۔۔۔“ وہ سانس لینے کو ذرا رکے۔

جملہ افراد خانہ ان ہی کی طرف متوجہ تھے پر ان میں سکندر نہیں تھا۔ وہ اب تک باہر سے نہیں آیا تھا۔

”اب تو مدت سے تیری بہن خود چھٹھ کے رحم و کرم پر رہی ہے ایسے میں یہ رشتہ جوڑنے کی غلطی مجھے ہرگز ہرگز نہیں کرنی ہے۔“

ان کے انداز میں بلانکی سختی تھی صیفہ کو خاموشی ہو جانا پڑا اپنے شوہر کی عادت وہ اچھی طرح جانتی تھیں جس بات پر وہ لڑ جاتے تھے وہاں سے انہیں ہلانا ناممکن ہی ہو کر آتا تھا انہوں نے بھی اس دن سے لے کر اب تک جبکہ دنیا کی شادی میں کچھ ہی دن رہ گئے تھے اس ذکر کو وہ پارہ چھینڑی نہیں تھا۔

انہیں اصل تقویت سکندر کی وجہ سے تھی وہ بیلہ کو بے حد پسند کرتا تھا یہ بات وہ بھی سمجھتی نہیں تھی اس دن بھی میں بھائیوں کی لڑائی کیا کہنے خیالات سے انکاشی کے اجدوہ بے حد بڑھا تھا۔

”اب فوراً“ بھاجر خالو سے معذرت کریں معلوم نہیں ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ وہ بار بار اس سے کہتا ”گھرا انہوں نے اس سارے مسئلے کو دنیا کی شادی کے بعد کے لیے اٹھار رکھا تھا“ ابھی وہ اس بڑے کام سے فارغ ہوتا چا رہی تھیں اپنے شوہر کو ان دونوں ضد دلانا مفاد میں نہیں تھا شادی کے سلسلے میں کیے جانے والے سارے جائز و ناجائز خرچے پورے کرنے کے لیے بار بار رقم کی ضرورت پڑ رہی تھی اور اس رقم کا بڑا حصہ ان ہی کی طرف سے موصول ہو رہا تھا۔ بیلہ کا کیا تھا؟ وہ کون سا کمین بھائی جاری تھی۔

♥ ♥ ♥ ♥

دن اب کچھ کچھ گرم ہو چلے تھے۔

بدلتے موسموں کے زمانے میں جو فرخ شگواریت محسوس ہوتی ہے وہی کیفیت آج کل بھی تھی۔

بیلہ نے ٹیبل پر پچھلی تمام فائلیں ترتیب سے رکھ کر گہری سانس لیتے ہوئے نگاہ اور اٹھائی تو امیر کو ہنوز سوا لہ نگاہوں سے خود کو دیکھنے پایا۔

”ایسے کیوں دیکھتے جا رہی ہو۔“

”اس لیے کہ مجھے اپنے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا ہے۔“ امیر نے اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے جانے کہا۔

”کیا جواب دوں؟“ وہ دراز کھول کر جانے کیا اوجھڑنے لگی۔ ”تمہیں تو وہم ہو گیا ہے اور وہم کا علاج کسی کے بھی پاس نہیں ہو سکتا۔“

”مجھے وہم نہیں ہے لیکن ہے اور میرے مسالے یہ اپنی بے نیازی کی مصروفیت ختم کر کے ڈرامیدھی ہو کر بیٹھو۔“ امیر فائل کھلی اسے تختے کے موم میں نہیں ہے بیلہ کو اس بات کا یقین تو آچکا تھا کہ شکل یہ تھی کہ وہ خود کو کسی بھی جواب دہی کے لیے تیار نہیں پا رہی تھی۔

وہ دونوں اپنا کام ختم کر چکی تھیں۔ صدیقی صاحب کی یہ فرم جو ان کے امیں قریباً دو فٹ تو ہو ہی چکے تھے دوستانہ ماحول والے اس شخص میں ایسے کام کو وہ لوگ نہ جانتا ”زیادہ اچھا ہے کراہی ہو نہیں سکتا“ امیر نے ایک ذرا اسی بات کو لے کر اس کا اور اپنا سکون برپا نہ کیا ہوا ہوتا۔

”ابھی کل تک تو تم سکندر سے چیخا چھوٹ جانے پر شکر کا ٹکڑ چڑھ رہی تھیں۔ پھر یہ اب اس قدر گہری آوازی کیوں چھائی رہنے لگی ہے تم پر کہیں تمہیں بھی کوئی ملال۔“

”شٹ اپ!“ بیلہ نے جھنجھلا کر اس کی بات کاٹی ”کوئی اداسی وہاں نہیں ہے مجھ پر اور یہ سکندر صاحب سے ابھی مکمل چیخا نہیں چھوٹا ہے تمہیں بتا بھی چکی ہوں کہ آج کل وہ دنیا کی شادی میں مسلسل اپنے ابا کی باتوں پر معذرت کیے جا رہے ہیں۔“

”وہ دوسری بات ہے بہر حال اب یہ قصہ تو ختم ہی

سمجھو اور میں جو بات نہیں جان پا رہی ہوں براہ کرم ٹھیک ٹھیک بتا دو۔“

”میں دس بار تمہاری بات کا جواب دے چکی ہوں۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ امیر نے جیسے بار مانتے ہوئے کہا۔ ”یعنی اب تم مجھ سے بالکل غیروں والا برتاؤ شروع کر چکی ہو کمال سے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔“ وہ ایک پھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیلہ کے لیے اس کا یہ روپ خاصا بوکھا دینے والا تھا ”امیر کی بھولی مٹلی عقلی ہی جانِ خدا میں کر دینے والی ہوئی تھی سو اب غایت اسی میں تھی کہ معاملے کو زیادہ گہیر ہونے سے بچایا جائے۔“

”امیر امیر! پلیز سنو تو۔“ اپنا ٹیک اور فائل بشکل سنبھالنے سے بیلہ نے اسے پڑھوایا پر ہی پایا۔

”کیا ہے؟“ امیر کی ٹیمیں گئی بس اپنی رفتار بگنی کر لی تھی بیلہ بھی اس کے ساتھ ساتھ بیڑھیاں اترنے لگی۔

”اس طرح ناراض ہو کر تو مت جاؤ بیلہ! تمہاری عقلی مجھے کتاب پریشان کرتی ہے تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔“

”ہاں! اور تم جو غم و اندوہ کی تصویر بنی گھوم رہی ہو اسے دیکھ کر تو مجھے دلی مسرت ہو رہی ہے نا! وہ واقعی ہے حد ناراض تھی۔ بیلہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

”اچھا اگر میں یہ کہوں کہ تمہارا اندازہ واقعی درست ہے۔“ امیر ایک دم ہی ٹھہر گئی اس کی آنکھوں میں بہت سارے سوال تھے۔ بیلہ گردن موڑ کر سامنے سے گزرتے ہوئے ٹریفک کو دیکھنے لگی۔

”اس سے زیادہ کچھ مت پوچھنا“ میں بتا نہیں سکوں گی۔“ وہ ٹھکے ہوئی۔

”نہیں پوچھتی خوش!“ امیر نے محبت سے اسے دیکھا۔ ”میں خود ہی معلوم کر لوں گی لیکن اتنا ضروریاد رکھنا کہ میں ہر مل تمہارے ساتھ ہوں۔“

بیلہ مسکرا دی۔ امیر کا ہر ہر انداز اس کی محبت کی

دیکھ لیا ہوتا تھا۔

امیر کے ابو آج کل اسلام آباد گئے ہوئے تھے سو وہ مزے سے ان کی گاڑی استعمال کر رہی تھی۔
”کیا خیال ہے دور کیا آیا یا کی طرف نہ چلیں“ سنا ہے وہاں ایک کمال کی چیز تھی ہوئی ہے۔“ امیر نے ذرا نیچے گھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے اچانک ہی تجویز پیش کی کہ تو بیلہ کچھ کنفیووزی ہونے لگی۔

باور کے ہاں چاہا اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی اگر دل پر وہی پہلے والی بے نیازی طاری ہوتی تو وہ یقیناً ”اس کمال کی چیز کو دیکھنے کے شوق میں فوراً“ ہی چل پڑتی مگر اب وہ جس عالم سے گزر رہی تھی ”اس“ میں باور کا ذکر تو کیا خیال ہی دل کو بے حد حساس کیے دیتا تھا۔

”تم چل جاؤ امیر! میں رکشہ کر کے گھر چلی جاتی ہوں“ ای انتظار کر رہی ہوں گی۔“ وہ چاہا نہیں چاہ رہی تھی مگر امیر کے سامنے ہر مزاحمت بے اثر ہوتی تھی ہو تا وہی تھا۔ جو وہ چاہتی تھی۔ اس کی تمام دلیلیں تمام سے رد کرتی ہوئی وہ گاڑی کو باور کے گھر جانے والے راستہ پر ڈال چکی تھی۔

”گھنٹہ دو گھنٹہ کے بات ہے“ اتنی کو وہاں سے فون کر دیتا تھی اسی کتنے دن سے باور۔“ تم نہیں پوچھتے بھی نہیں تھی ہو۔“ اس نے کیا بیلہ کو شرم دلائی۔
امیر کی باتوں میں راستہ گزرنے کا یہ ہی نہیں چاہا جب تک گاڑی باور کے گیٹ پر رکی تب تک بیلہ تھم کے متعلق بہت کچھ جان چکی تھی۔ وہ باور کی امی کے کسی کزن کی بیٹی تھی اور کئی سال بعد سقط سے کراچی پرنسپل سائنس آئی تھی۔

”گراچی دیکھنا تو بہانا ہے“ کسی اچھے رشتہ کی تلاش میں بھیجی گئی ہیں محترمہ“ اتنی ای جس طرح فون پر اس کے حسن کا قصیدہ پڑھ رہی تھیں صاف لگ رہا تھا کہ بار کی جھ سے متعلق کر دینے کی جلد بازی پر پچھتا رہی ہیں۔“ امیر کے پاس سارے راستہ بس کی یہی موضوع تھا بیلہ کو اس کی بد حالی پر ہنسی آئی۔
”اچھی طرح ہنس لو! تمہیں میری پریشانی سے کیا

سرور کا ہے۔“

”اگل ہو تم“ اس بات کا ڈر ہے تمہیں باور بھائی تمہیں کتنا پسند کرتے ہیں“ اپنی مرضی سے انہوں نے تم سے متعلق کی ہے۔“ بیلہ کو سنجیدہ ہو کر اسے تسلی دینی پڑی مگر وہ آسانی سے مطمئن ہونے والوں میں نہیں تھی نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس پر فلسفیانہ سوڈ طاری ہونے لگا۔

”مری ذات پر بالکل بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا“ وہ قوم سے جو کبھی بھی آپ کو اپنا سراغ نہیں دے گی۔ ایک تھیں لڑکی کی جو میں کتنے گھر میں سوچو دیکھتے ہوں کچھ چل سکتی ہے۔“ پھر جسے وہ خود ہی اپنی چون میں دالیں آئی ”میرا وہاں باور بھی تو ہے“ چھڑا چھانٹ اس کے لیے حالات زیادہ سازگار ہیں۔ تلی اپنی کامی شوق پورا ہو جائے گا۔ کیوں؟“

اس نے فوری جواب بیلہ کے لیے اس نہیں تھا باور کے لیے امیر کی نیک خواہشات کا اظہار اسے بری طرح بے چین کر گیا تھا۔ وہ بلا قصد ہی لڑکی سے باہر دیکھتے تھے۔

اس کی یہ چند منٹ کی خاموشی ”امیر نے یقیناً“ محسوس کی تھی جب ہی کن انہوں سے اسے دیکھتے ہوئے خود بھی خاموش ہو رہی تھی۔
بیلہ کو اپنے سارے ملک میں پھرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہی لاؤنج میں میں سامنے صوف پر بیٹھی تھیں۔ یہ بیلہ لگاؤ والے ہی اس نے خود کو باور کو رالیا تھا کہ یہ لڑکی باور کا دل جیتنے میں کامیاب ہو چکی ہوگی۔

اسکن ٹکر کے تھپی لباس اور ڈائمنڈ کا نازک سی جیولری کے ساتھ وہ امیر کی مائی امی کے الفاظ میں واقعی بلا کی حسین دیکھائی دے رہی تھی۔ اس کے سراپے میں ایک تکلیف تھی۔ اس گھر کے دیل ڈیکوریشن لاؤنج میں وہ بالکل ٹھیک ٹھاک بیٹھ کر رہی تھی۔

امیر کی مائی امی خوش مزاج خاتون تھیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر گرجو شہی سے ملیں پر اولیت تھیں کے

تعارف کی تھی۔

”میرے ماموں زاد بھائی کی بیٹی ہے“ خاص مجھ سے ملنے کے لیے کراچی آئی ہے“ بس اسے دیکھ کر تو میں اپنی ساری تیاری بھول گئی ہوں سارے گھر میں رونق کی پھیل گئی ہے۔“

”آج سے پہلے تو یہ ماموں زاد بھائی نامعلوم کہاں سو رہے تھے۔“ امیر نے بیلہ سے سرگوشی کی وہ دھیرے دھیرے بولے جا رہی تھی۔ بیلہ کو اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے مسکرا مسکرا کر باور کی امی کی باتیں سننے پڑ رہی تھیں جو تھینہ کی مدح سرائی میں مصروف تھیں۔

تھینہ نے ان لوگوں کو زیادہ لفٹ نہیں کرائی تھی شاید وہ علوانا ہی کم گو تھی یا پھر حدود پر مغرور بیلہ اتنی جلدی فیصلہ نہیں کرائی۔

”باور گھر ہی تھا نہیں جانے کے پروگرام سے وہ لاؤنج کی طرف آیا تو ان دنوں کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔“ ”اے نہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا“ امیر کے ساتھ بیلہ بھی۔ ضرور امیر ہی بیٹھ کر لائی ہوگی تھیں شاید اس امیر اس کا نام نہ پر تو میں تمہیں ضرور کوئی انعام دوں گا۔“

امیر ابھی تک چلی جاتی تھی باور کی باتوں سے اس کا موز بھال ہونے لگا۔ ”سنا تھا کہ تم بہت مصروفیت میں گھرے ہوئے ہو“ اسی لیے خیر جبر لینے چلے آئے۔“

”میری باور بھائی کی!“ وہ اس کی پوٹ کو پامیا تھا۔
”دو نوں ہی کی“

باور ہنسنے لگا ”تھینہ آپ ملیں امیر سے۔“ ایک دم ہی وہ اس کی طرف مڑا ”تمہاری ہونے والی بھانجی جان ہوئی ہیں یہ خیر ہے۔“

تھینہ جو پھر کابیت بی ایک طرف کو ہی دیکھے جا رہی تھی اور فی الوقت اپنی اہمیت کم ہو جانے پر نقلی سی محسوس کر رہی تھی بے اعتنائی سے بولی ”بھانجی والی تو“ علوم نہیں“ اتنی نے تو یہ بتایا ہے کہ میرے دیور کی بیٹی ہیں۔“

باور کی شکایت آئینہ نگاہوں کو خود پر مرکوز کر تائی اسی جلدی سے بولیں ”تو کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ باور کی سگنی اپنے بچا کے گھر ہوئی ہے“ ایک ہی تو بچا ہیں ان لوگوں کے۔“

تھینہ نے کچھ جواب نہیں دیا بس منہ بنا کر خاموش رہی۔

”تم نہیں جا رہے ہو؟“ امیر باور سے پوچھنے لگی۔
”جا رہا تھا“ اب تم لوگ تلی ہو تو کیس نہیں جا رہا۔“

”ہم لوگ تو بس تھوڑی دیر میں پہلے جائیں گے تم اپنا پروگرام خراب مت کرو۔“

”تو بس“ تھوڑی دیر بعد میں بھی چلا جاؤں گا۔“ اس نے لاہروائی سے ہاتھ دایا ”بیلہ بی بی! آپ کیوں مزاحمت میں ہیں“ اس واسے کیا زبان بھی وہیں رکھا لیتے ہیں۔“

بیلہ واقعی کسی سوچ میں تھی باور کے یوں پکارنے پر وہ چونک سی گئی۔ ٹھیک سے اس کا جملہ سنا بھی نہیں“ بس لاؤنجی مسکرا دی۔

”یہ آج کل ہی ہونی کم رہتی ہیں“ حالانکہ بے چارے خالو نے تو جت بڑا احسان۔“ امیر کی بات بیلہ کے سامنے پڑا اور وہی ہی رہ گئی۔

بیلہ بیچ کھلی میں بیٹھ کر سکندر کا قصہ پڑا بیلہ کو بالکل بھی منظور نہیں تھا ”امیر کی بے وقوفی پر اس کے چہرے پر جلیبی سرخی چھا گئی تھی۔

باور کی نظروں سے اس کی یہ کیفیت چھپی نہیں رہ سکی تھی اس لیے اس نے بات بیٹھنے میں دیر نہیں کی۔ اپنی امی کو چاہے کی یاد دلائی کرا کے وہ بیلہ کو اپنی نئی خریدی گئی کتابوں کے بارے میں بتانے لگا۔

امیر نے مائی امی کو اٹھنے نہیں دیا تھا اور چائے کا کتنے خود چکن میں چلی گئی تھی۔

”کیا بات ہے بیلہ“ پھر بھائی سے کیا؟“ مائی امی کو تھینہ کے ساتھ مصروف پکڑا اس نے پہلے سے پوچھا تو بیلہ کا دل چاہا کہ سر پہٹ لے ایک بے معنی سی قمر سر پر سوار کر کے گویا وہ خود سے وابستہ ہر شخص کو متوجہ

کیے دے رہی تھی اہل بھر میں ہی اس نے خود کو دل میں ڈھیر ساری ملامت کر ڈالی۔

پہلے امیر اور اب یہ یاد اور!

وہ تو شکر ہے کہ یاد اور امیر کی طرح چھت کرنے کا عادی نہیں تھا ایک آدھ صنف میں ہی مطمئن ہو گیا۔

امیر بچائے لے آئی تھی "نرالی بے حد سیٹھے کے ساتھ سیٹھ کی گئی تھی۔

"آپ تو یہاں ابھی سے کام کرنے لگیں۔" تمہینہ نے طنز پر مسکراہٹ کے ساتھ امیر کو دیکھا تو وہ

اطمینان سے ایک کانچ کاٹتے ہوئے بولی "آپ نے مجھے ابھی دیکھا ہے میں تو بچپن سے ہی سال پانی جاتی ہوں۔"

پبلہ کو فہمی آگئی "امیر اپنا حساب فوراً چکا قاتی تھی" اور فی الوقت وہ پبلہ اور یاد اور کو بھول کر پوری طرح تمہینہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

خود کو پروردگار کی اس کی ساری کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے وہ ذرا ہی دیر میں اس کے متعلق ساری معلومات حاصل کر چکی تھی اس کی تعلیم مشاغل پسند ناپسند خاندان ان سب کو اچھی طرح گھونگھولنے کے بعد وہ بڑے معتبر انداز میں شور مچانے لگی۔

"تمہینہ! آپ نے بڑھائی کیوں اور عورتی چھوڑ دی میرا تو خیال ہے کہ آپ یوں اوھر اوھر گھومتے ہیں وقت ضائع کرنے کے بجائے پرائیویٹ بڑھ ڈالیں علم حاصل کرنے کے لیے کوئی عمر کی قید چھوڑی ہوتی ہے۔"

امیر کا تمہینہ کے ساتھ تکی ای کو بھی برا لگا سو تمہینہ کو جواب دینے کی زحمت سے بچاتے ہوئے انہوں نے ایک بھولی سی تقریر کر ڈالی جس کا لب لباب یہ تھا کہ تمہینہ جیسی حسین لڑکیوں تو گھروں پر راج کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیا ہے اگر اسے بڑھائی یا گھر داری سے دلچسپی نہیں ہے اللہ نے چاہا تو اس کے گھر میں دس نوکر ہوں گے اور یہ کہ زیادہ بڑھ لکھ جائے لے لڑکیوں کا رنگ روپ تباہ ہو جاتا ہے۔

"اور نہ بڑھ پانے سے دماغ اور اخلاق۔" امیر نے

چپکے سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی مزید رک کر وہ اپنی ہونے والی ساس سے تعلقات خراب نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

وہ دونوں باہر نکلنے لگیں تو انہیں یاد کی ای کی آواز سنائی دی وہ یاد اور سے تمہینہ کو کہیں باہر لے جانے کے لیے کہہ رہی تھیں اکیلا یاد اور ہی انہیں چھوڑنے باہر تک آیا تھا۔

"تمہینہ! ابھی بھی رک جاتیں۔ تو اچھا تھا۔"

"ہمیں یا اگلے بھی فرصت نہیں ہے پتھرانی مسلمان کو اغیزہ کرو۔" امیر کے انداز میں نقلی سی تھی وہ فوراً

ہی گاڑی بڑھانے لگی۔

"کل قدر رسوائی لڑکی ہے تمہینہ! خدا کی قسم پتا ہے تکی ای سے میرے متعلق فریاد رہی تھی کہ میں شادی سے پہلے کیوں سسرال میں آئی جاتی ہوں میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور یہ کہ میں باہر سے بھی ملتی جلتی رہتی ہوں گی اور یہ کہ۔" امیر بولتی تھی۔

"چلو چھوڑو تم نے بھی بہت کچھ کہہ لیا ہے۔"

پبلہ نے اسے تسلی دینا چاہی مگر اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

"تکی ای! اس بلا کو یاد اور کے گلے پانے کا پورا پروگرام بنائے تھی ہیں تو تمہیں پورا یقین ہو گیا ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو دلچسپ لینا چار دن بعد ہی سر پکڑ کر روتا ہوا نظر آئے گا یاد اور۔"

"مگر ضروری تو نہیں کہ یاد اور بھی ان کا ہم خیال ہو۔"

پبلہ کو اپنی آواز خود ہی انہیں ہی تھی شاید اس نے خود کو ہی تسلی دینی چاہی تھی۔

"ارے کیا خیال دیاں!" امیر نے تیزی سے موڑ کاٹا۔ "یہ سارے لڑکے ایک جیسے ہوتے ہیں شادی کے معاملے میں ان کی ایک ہی ماہر ساری باتوں پر حاوی رہتی ہے کہ۔" تکی ای بیوی خوب صورت ہوا۔ "ہو نہ ہو۔"

چاہے اسے روئے کی بھی عقل نہ ہو۔ "بیلہ کادل زور زور سے دھرنے لگے۔

تمہینہ کے خوب صورت ہونے میں تو کوئی شبہ

نہیں تھا تو کیا وہ برصغیر دہلی کی ہے۔" اس کے ذہن میں کئی سوال ابھرنے لگے حالانکہ یاد اور کی وہ خریداری تمہینہ کے آئے سے ایک دو روز پہلے کی تھی اس کے حسن کے چرچے تو یقیناً سن ہی رکھے ہوں گے آخر کزن ہے۔"

وہ ابھی ابھی سی چینی رہی۔

بینا کی شادی کا جنگ نامہ سرد ہو گیا تھا سارے کام بخیر و خوبی انجام پائے تھے اور اس بخیر و خوبی انجام پانے کا سارا کریڈٹ خود لیتے ہوئے خالو آج کل اپنی داد واد میں مصروف پائے جاتے تھے۔

تکی ای کی بات تو یہ تھی کہ بیٹا کی شادی میں انہوں نے اپنی ساری تنخواہ ایک طرف رکھ کر کادل کھول کر بیٹے خرچ کیا تھا۔

بیٹا کے خیر شکوہ کے کہنے اور سسرالیوں کی تو بھگت کسی بات میں بھی کسر نہیں رکھی تھی سوا ب وہ اپنے گن گانے میں حق بجانب تھے اسی ترنگ میں وہ رانست یا ناوانست سکندر کے مسئلہ کی طرف سے انہیں بند کیے ہوئے تھے وہ غریب بولکھایا بولکھایا پھرنا تے۔

"اماں! بابا سے کہیں باپ چل کر فیض خاں سے بات کر سن سکتے دن ہو گئے ہیں آپ تو کہہ رہی تھیں کہ بیٹا کی شادی کے فوراً بعد ہی خالو سے تہنہ لے لیں گے۔"

صفیہ خان میں کئی بار بیٹے کے سوالوں کی قد میں آتیں تھیں اس کی تسلی کے لیے کچھ بھی کہہ دیتیں درنہ جو نئی اوھر اوھر ہو چاتیں وہ اپنے میاں کی نیت سمجھ رہی تھیں سکندر کے لیے لمبا ہاتھ مارنے کا ارادہ تو ان کا پہلے ہی سے تھا اب اس ارادے میں اپنے حالیہ نقصان کو پورا کرنے کی فکر بھی شامل ہو گئی۔

"اس سارے خرچے کو ہزار گنا منافع کے ساتھ نہ وصول کیا تو نام بدل دیتا۔" وہ تھنائی میں بیوی کے سامنے کئی بار اپنے اس پرانے عزم کو دہرا چکے تھے اور جواباً وہ ان کے لیے کوئی وہ سرایام ڈھونڈنے کے بجائے بیٹے کا دل لوٹنے کے غم میں ہو کر رہیں صفیہ کی جان حقیقتاً شکل میں تھی۔

بینا کی شادی میں پبلہ جیسی تیاری کے ساتھ شریک

ہوئی تھی وہ سکندر کا قرار لٹونے کے لیے کافی تھی۔ اچھی تو وہ سادہ سے طیلے میں بھی لگا کرتی تھی مگر ان دنوں تو اس کی بات ہی کچھ اور تھی۔

ایک مطمئن مسکراہٹ سیانے سکندر کو تو وہ سارے جہاں سے منفرد کھائی دیتی تھی۔

اس کی بے چین اب جھنجھلاہٹ میں تبدیل ہو رہی تھی وہ بات بے بات وہ لڑنے کے بجائے ڈھونڈنا، ہنس بھائی کی تو سارا دن ہی شامت تکی ای رہتی گھر کے باہر میں بڑھتا ہوا کھچاؤ خالو سے چھپا ہوا نہیں تھا پر ان کی بے نیازی کا وہی عالم تھا صفیہ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب کسی بھی دن باپ بیٹے میں ایک تاریخی منکرہ ہونے کو ہے اور وہ دن ان کے لیے سولان روح ہونا تھا۔

مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔

خالو ایک شام دکان سے واپس آئے تو بے حد پر خوش تھے ان کا یاد اور سا جو ش گھر میں داخل ہوتے ہی سب نے بھانپ لیا تھا۔

"بیلہ کے تباہ قانون آیا تھا دکان پر اس ستر کو اپنے آفس میں بلایا ہے مجھے گیارہ بجے انہوں نے کسی کو بھی سوال کرنے کی زحمت سے بغیر یہی نہی اطلاع کی۔"

بلاؤ نے فنی خیر تھا ہر ایک اپنی رائے دینا شروع ہو گیا سکندر کے دل کو بھی ڈھارس بندھی شاید بات کچھ سمجھنے جا رہی تھی۔

"وہ جو کچھ بھی کہیں آپ مان لیجئے گا خدا کے لیے بات بگاڑ کر نہیں آئے گا۔" اسے اپار زیادہ بھروسا نہیں تھا اور اب وہ مزید کوئی رسک بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔

خالو کا اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا ستر کا دن آنے میں ابھی چار دن باقی تھے اس وقفے میں وہ اچھی طرح سے سوچ بچار کر لینا چاہتے تھے تاکہ اس ملاقات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

"کسی سے ابھی اس بات کا تذکرہ مت کرو نا بیلہ

کے تیار کرنے سے متعلق کیا ہے کہیں تم جا کر بہن کو سناؤ؟ انہوں نے بیوی کو تنبیہ کی، حالانکہ ان سبے چاری نے کس سے کیا کہنا سنا تھا۔



تمہارے آنے کی خوشی میں یاد رکھی کہ امی باپنی دوسری بیوی سے بدگوار نہیں کرتی، اس لیے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

امیر، تمہارے اس قدر اہمیت دینے پر سخت ناراض تھی، اگر معاملہ اس کی ہونے والی سسرال کا نہ ہو تا تو وہ اس باپنی میں شرکت کا سوچتی بھی نہیں، اب مجبوری تھی، یہی وجہ تھی کہ امیر اور اس باپ امیر کا زور بھی کچھ کام نہیں دکھا رہا تھا۔

کوئی بات نہیں ہے، میں میرا دل نہیں چاہ رہا ہے، اور کبھی بھی دل کی بات بھی مان لینی چاہیے۔ اس کا جواب سید حاسدا تھا، لیکن امیر کو سید محلی بات کے بھی دسیوں زاویے دھونڈنے کی عادت تھی۔

”تمہارے گھر اسی ہو نا؟“ اس نے غور سے بیلہ کے چہرے کو دیکھا، ”حالانکہ گھر انا اسے تم سے چاہیے، ہر لحاظ سے تم اس سے کہیں آگے ہو ایک صرف شکل اچھی ہونے سے کیا ہو نا ہے، نہ کھوتی ہے تو ساری جمالت ظاہر ہونے لگتی ہے، تنگ دلی، تنگ نظری،“ امیر کا ان دونوں تہینہ سے بار بار ساتھ بڑبڑا تھا، وہ تائی امی اور یاد کے ساتھ ان کے گھر بھی آئی تھی، اس لیے وہ اس کے مزید اوصاف جانتی جا رہی تھی۔

”تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، مجھے کیا پڑی ہے اس سے گھبرانے کی یا مقابلہ کرنے کی۔“ امیر کی بات اسے کھینچ کر لگتی۔

”تمہیں نہیں ہو گی، میں تو ہے! ایک تم ہی تو ہو میرے پاس اس کے مقابلے پر لانے کے لیے فوراً ہی ذرا تنگ اور میک اپ پر توجہ دو تو تمہیں بیگم چڑھی کیا جس؟“ دل میں اٹھنے والے کسی خیال کے زیر اثر اس

کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

بیلہ ذرا سی گردن موڑے بیٹھی تھی، اس لیے اس کے تاثرات نہ دیکھ سکی، امیر کی بات کو بے حد بے تکلفی کے ساتھ دہرایا، اس نے کوئی سخت جواب نہیں دیا، بس بڑبڑا کر دہرائی، دراصل وہ اس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی، اس میں بار بار یاد رکھنا کہ اس کا پورا امکان تھا اور سچی بات یہ تھی کہ یہ نام اہل کو اس کرنے لگا تھا۔

مخلاف توقع امیر بھی جلد ہی اٹھ گئی، اس کے جانے کے بعد وہ یو پی تیار کیا، اس کی طرف چلی آئی، خیال تھا کہ ان سے چند منٹ مل کر وہ اس کے آگے لی پتا چلا کہ وہ آج ابھی تک گھر نہیں آئے ہیں، کاروباری مصروفیت میں گھر کو اکثر ہی لٹ ہو جاتا کرتے تھے۔

”تائی ابا کو تو آرام کے لیے بالکل ہی وقت نہیں مل پاتا۔“ جی جی نے اس کے منہ سے نکل گیا، ”وہ ان لوگوں کے معمولات پر بالکل بھی مبصر نہیں کرتی تھی۔“

تائی امی کو برا لگا، ”وہ اہم کو اپنے پر میں سے چند بڑے ٹوٹ نکال کر پکڑا رہی تھیں، سارا آرام پیسے سے ہے، پیسہ بھارت ہے تو خیر سے آرام سے ہی ہیں، اگر نہ تھیں تو اس میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں،“ امیر نے جواب میں کھڑے ہو کر مزدوری تو نہیں کر رہے ہیں۔

ان کی زبان سے خیر کے کلمات کم نکلتے ہیں، یہ عادت جانتے ہوئے بھی بیلہ اپنے بول بڑے پر غور مند رہی ہو گی، وہ کچھ اور بھی کہتی تھیں مگر انہیں آصف کی طرف متوجہ ہونا پڑا، مزید پیسوں کا مطالبہ کر رہا تھا۔

تائی امی اور ان کے بچے شاہ خرچ تھے، خاص طور پر آصف، وہ پچھلے کئی سال سے یونیورسٹی میں اپنا ہوا تھا، نہ جانے کون سی ڈگری تھی، جو حاصل ہو کر ہی نہیں رہتی تھی۔ وہ سارا سارا دن گھر سے غائب رہتا، اس جا کر بریس کی ذمہ داری کو شیئر کرنے کی توقع اسے نہیں ہو پائی۔ چند ایک بار تائی ابا کے احساس دلانے پر اس سے زیادہ تائی امی نے برا مانا تھا۔ ”بچہ ہے، سمجھ

جائے گا، آہستہ آہستہ“ آخر اسے ہی سمجھانا ہے سب کچھ۔ ”وہ اس کی بے جا حمایت کرنے میں بیٹھ آگے رہتیں۔ اس وقت بھی انہوں نے ذرا سا اعتراض کیے بغیر اس کی فرمائش کو پورا کیا۔

تائی ابا کی قریب ہی بیٹھی تھیں۔ بیلہ نے غصوں کیا کہ آصف کی جانب دیکھتے ہوئے ان کے چہرے کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔ تائی امی آصف کے پیچھے کچھ کہتی ہوئی باہر چلی گئیں، تو وہ فوراً ہی بیلہ سے مخاطب ہوئیں۔

”وہ کوڑی کار کے رکھا ہوا ہے لڑکے کو، دیکھنا باپ کا سارا پیسہ اسی کے ہاتھوں ڈوبے گا، ذرا جرات میں نہ تھوڑا ذرا داری کا جذبہ ہو۔“

بیلہ خاموش رہی، ”ان دونوں بھائیوں کے درمیان ملنے والی سیاست بھی عجیب ہی تھی، ایک دوسرے کا لاکھ دم بھرنے کے باوجود دونوں ہی کی نگاہ اپنے اپنے منافع پر رہتی تھی۔“

وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو تائی ابا کو صاف غلامی یاد آئی۔ ”تمہاری خالہ نہیں آئیں بہت دن سے۔“ ”ہی!“ اور کیا کہتی۔

”اب!“ انہوں نے ایک چھوٹی سی جھانک کر بیلہ کو دیکھا، ”وہ جلد کچھ فرمائش تو کریں گے، باہر جائے، مگر وہ قریب برا اختیار اٹھا کر دیکھتے ہیں، انہیں جو جتنا تھا، اتنا دیا تھا۔“

بیلہ باہر چلی آئی، آج کل اسے اپنے علاوہ ہر ایک پر رشک آتا تھا۔

سارے کے سارے بے فکرے اور اپنے آپ میں گمن لوگ۔ زندگی میں جو چاہتے حاصل کر لیتے تھے، نارسائی کے کرب سے نہ پہلے کبھی واسطہ پڑا تھا، اور نہ ہی آئندہ کے لیے انہیں اس کا اندیشہ تھا، جس مقام پر کون سی کی انسان کو آزادی ہے، انہیں اس بارے میں سوچنے تک کی ضرورت نہیں تھی۔

”پھر یہ طے ہوا کہ خوش نصیبی بھی وراثت میں ملے، والدین کی جڑوں ہی کی طرف ہوتی ہے، جیسے ماں باپ

کی طرف سے آپ ان کا نام جانے دو، روپیہ پیسہ پاتے ہیں اسی طرح سے ان کی خوش نصیبی بھی آپ کے ہاتھ میں آتی ہے، اور پھر ساری زندگی یہ خوشی کسی فرما دینا دار لونڈی کی طرح ہاتھ پاندھے آپ کے پیچھے پیچھے چلتی رہتی ہے، اور کچھ مجھ جیسے بے چارے، کچھ پیچھے کے بل میں اترتی بیڑیوں پر بیٹھ کر وہ در تنگ بساط بھر تجزیہ کرتی رہی، تو ابتدا ہی سے ماں باپ کی آزمائشوں میں حصہ دار بنائے جاتے ہیں اور پھر یہ آزمائش یقیناً ”ساری زندگی ہی چلتی ہو گی، سو ایسے میں دل میں کسی تنہا کو پالنے سے بڑی حماقت اور کیا ہو گی۔“ اب چونکہ وہ یہ حماقت کر رہی تھی، تھی تو اس کے اڑانے کے لیے کچھ کرنا بھی ضروری تھا اور۔

یاد رکھو کہ گھر پانی کے بائیکاٹ کا فیصلہ ایسا ہی کچھ کرنے کا تھا۔

”کس کی بلا سے وہاں کچھ بھی ہوا، تار بے“ خود کو یاد دلا کر کہ وہ اگلی صبح مطمئن انداز میں آفس کے معاملات کو منہا رہی تھی کہ یاد آگیا۔

”تم آخر مجھ سے ناراض کیوں ہو؟“ وہ سامنے کرسی پر بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

”میں نہیں تو، تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ بیلہ نے کوڑی کو خوشی کی کہ سرسری سے انداز میں اسے ٹال دیا۔

”مجھے کبھی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ میں بالکل ٹھیک ٹھیک انداز سے لگا تا ہوں اس لیے فوراً بتا دو کہ کیا بات ہے جو تم ہمارے گھر کل شام نہیں آ رہی ہو۔“ وہ ضرور امیر سے سن کر آیا تھا، امیر آج خود کسی وجہ سے آفس نہیں آ سکی تھی۔ مگر حق وہی تھا، بیلہ نے اسے جو کچھ کرنا ہوا، وہ کر کر دیتی، چاہے اس کا رگزار ہی کو جیانا، دوسروں کے لیے کتنا ہی تھیں ہو۔

بیلہ کے لیے بھی اس وقت یاد رکھنا کہ وہ بھر ہوا جا رہا تھا۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ تم کس بات پر ناراض ہو،“ امیر کہہ رہی تھی کہ شاید تمہیں تمہارے کوئی بات بری لگی ہے، اگر ایسا ہے تو میں اس کی طرف سے معافی

مانگتا ہوں لوگوں سے یہاں ہی ہے ہم لوگوں سے ڈھنگ سے واقف بھی نہیں شاید اسی لیے غلط فہمی۔ وہ تمہیں کی صفائی پیش کر رہا تھا۔

بیلہ کو بہت عجیب سا لگا چند منٹ تو وہ سنتی رہی اور برداشت بھی کیا تب نہ ان دونوں کے درمیان اس وقت بھی موجود بھی کہ اس کا ذکر موجود تھا۔ اسے اس قدر اہمیت تھی بیلہ کی اپنی بے وقوفی کی بنا پر مل رہی تھی اس بات کا احساس بیلہ کو اگلے چند لمحوں ہی میں ہو گیا تھا۔

یاد رکھنا اس کی خواہش کرنا اور بات نہ تھی۔ لیکن یوں اس کے سامنے ایک کھینکس کی باری لڑکی کے روپ میں بیٹھ کر اس کی تقریر سنتا اسے اپنی نظروں میں گرائے دے رہا تھا سو اپنے احمق پن پر لعنت بھیجتے ہوئے وہ کمال بے نیازی سے اس کی بات فٹ کرتی۔

”علوم نہیں تم کیا کہہ رہے ہو بھلا تمہیں کا کیا ذکر امیر کو کسی کوئی نہ کوئی لٹو کھڑا کر لیتی ہے بے وقوف۔“ یاد رکھنا اس کے دل کی جراتی دیکھ کر اس کے دل کو بڑی تسلی ہوئی نہ جانے امیر نے اس سے کیا کیا کہہ ڈالا ہو گا جو وہ یوں بولا جاتا تھا۔

”وہ اصل مجھے کچھ اپنے کام تھے سو جاتا تھا کل کی چھٹی میں تمنا لوں اسی لیے تمہارے گھر کا پر دہ اس کیسٹل کیا ہے اور بس۔“

اس کے لمحے میں اتنی چنگلی تو تھی کہ یاد رکھنا کو یقین کرنا پڑا کہ وہ تو کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے سو وہ مطمئن انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”تھک ہے تو پھر تم کل آ رہی ہو نا؟“ وہ اقرار کرانے بغیر نے والوں میں نہیں تھا۔ مزید بحث سے بچنے کے لیے یہی بہتر تھا کہ اس کی بات مان لی جائے بیلہ نے یہی کیا اس کے اہانت میں سر ہلاتے ہی وہ خدا حافظ کہہ کر چل دیا۔ کل کی پارٹی کے سٹیل میں اس کے سر پر دسیوں کام تھے۔ جنہیں سچ میں چھوڑ کر بیلہ کی خبر گیری کو چلا آیا تھا۔ اس کی اپنائیت کے یہی انداز دل کو کیس اندر سے چھو جاتے تھے بیلہ

سامنے بڑے سا کاندھ پر چند منٹ پونہ آؤی تھی لائیں چھٹی رہی۔

”بس تم نے تک رسائی ممکن ہی نہ ہو اس کی تمنا بھلا اتنی زور تو رکھو ہو لی ہے؟“ وہ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے لیے فرصت اور شمائی دونوں ہی درکار تھے آنکھوں کے کنارے کیلے ہوئے گئے تھے۔

”یہ بڑی مصیبت ہے بھئی۔“ اپنی اس کمزوری سے اسے بے حد چڑھتی لگتا اچانک جھکاتے ہوئے قریب رکھی غافل میں کم ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

♡ ♡ ♡ ♡

تھوڑے قدم اٹھاتی دفعہ اپنے کمرے میں داخل ہو گئیں تو وہ اس طرح آنکھیں موندے لٹی گئی جیسا کہ وہ چھوڑ کر تھی تھیں۔ چائیں کالی سے آنکھوں کو دھانی وہ کڑھتہ ڈیزا وہ دھنسنے سے اسی پوزیشن میں تھی یہ معلوم نہیں کہ سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔

”بیلہ! اسے بیلہ! وہ اس کا بازو ہلانے لگیں۔ اس کی آواز میں خوشی کی جگہ گستاخانہ اتنی واضح تھی کہ بیلہ نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔

”کب سے لکھی ہوئی ہو اب اٹھ جاؤ شام کے لیے کوئی کچرے وغیرہ ہی نکل لو یا پھر کچا ہو گا؟“ وہ غالباً اسے اٹھانے کا ہوا تو یہ کہہ رہی تھیں لیکن بیلہ بوجھ رہی تھی کہ بات کھلے نہیں ہے ہاتھ ایسا اٹھا یقیناً ”ہوا ہے جس نے امی کے سر پرے کو منور کر کے رکھ دیا ہے“ اتنی خوشی تو وہ مدت سے نظر نہیں آتی تھیں۔

”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ اس نے قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

”تمہارے تایا اب وغیرہ بھی نہ عوہیں یاد رکھ کر جانیں گے بس شازدہ اور آصف عید ہی شازدہ کہہ رہی تھی کہ تم بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ چلی چنا۔“ دونوں ہاتھوں سے بکھرے ہوئے ہاتھوں کو سمیٹ کر دوبارہ کلب لگاتے ہوئے اس نے یہ اطلاع بھی سن لی مگر ابھی کوئی برا بات نہیں آیا۔

تایا اب چھٹی کی وجہ سے آج گھر پر ہی تھے اور امی کافی دیر ان کے پاس بیٹھ کر آ رہی تھیں اس لیے اٹھا تو وہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی اچھی خبر تایا اب کی طرف سے ہی آئی ہے۔

”شازدہ کہہ رہی تھی کہ بیلہ سے کہیں کہ چھٹی کے دن ہی ہم لوگوں کے پاس آکر بیٹھ جایا کرے۔“ وہ اس کے قریب ہی بیڑ پر گھٹتے ہوئے بولی۔

بیلہ کے پاس اس وقت شازدہ کی میزبانوں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا وہ تو بس جلد سے جلد امی کی بے پایاں خوشی کا سبب جانتا جا رہی تھی جو اسے بھی ابھی سے مسرور کے دے رہی تھی اور یوں خوش ہوئے اسے کتنے دیر گزر چکے تھے۔

”بیلہ! جانیں کہ آپ اس قدر خوش کیوں ہیں۔“ لگتا ہے کوئی زبردست خبر ہے تب کے پاس۔ اس نے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

امی کے چہرے پر مسکراہٹ کھلی پڑ رہی تھی۔ محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ بے حد مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

”بیانی ہوں خبر سے بتانا ہی ہے تمہیں۔“ وہ بیلہ بھر کر بولی۔ ”تمہارے خاوا آئے تھے۔ بھائی صاحب کے آفس میں آج شام بہت شرمندہ تھے اپنے رویے بہت معافی مانگ کر گئے ہیں۔“ وہ سانس روکے ان کی شکل دیکھنے لگی۔

”بھائی صاحب کا خیال ہے کہ ہمیں ان کی بات رکھنی چاہیے بہر حال اپنے ہیں اور اسی لیے پلٹ کر آئے بھی ہیں ورنہ کسی غیر کو کیا بڑی کی کہ ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑنے کی زحمت اٹھانا اچھی بات ہے مجھے تو بے حد خوشی ہوئی ہے تمہارے لیے تو سکندر کے علاوہ میں نے کسی اور کا تصور بھی نہیں کیا ہے ایک بہن کے علاوہ میرا ہے بھی کون؟ اب یہ بے ساندہ ہم دونوں کا ساتھ۔“ وہ شرماتے ہوئے چہرے کے ساتھ کسے چلی جا رہی تھیں پر بیلہ اب شاید کچھ بھی نہیں سن رہی تھی اپنے اطراف پھیلنے ہوئے سناٹوں میں گھری وہ خالی انداز ہی کی سی کیفیت میں تھی۔

”تمہارے تایا اب مجھے تم سے پوچھنے کے لیے کہہ رہے تھے میں نے کہا بیلہ کو کیا اعتراض ہو گا؟ آخر اس سے منسوب رہی ہے کیوں تھک کر تا میں نے؟“ وہ اپنی بات کے اختتام پر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ بھی جیسے چونک سی گئی۔

”پتا نہیں؟“ کہا تو اس نے زبردستی تھکر انہوں نے سن لیا تھا اور فوراً ہی اس پتا نہیں کی وضاحت بھی طلب کر ڈالی۔ بیلہ کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کہ اسے ان سے کیا کہنا چاہیے ایک مصیبت جو آسانی سے خود ہی ٹل گئی تھی بے حد کدو فر کے ساتھ دوبارہ برائمان بھی۔

دل کے اندر ایک صدائے احتجاج بلند تھی مگر لب اس کی اوھوری باتوں کی امی عادی تھیں اور انہیں زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتی تھیں اس وقت بھی نظر انداز کر گئیں اٹھتے اٹھتے اہل بیت انہوں نے ہدایت ضرور کر ڈالی کہ چونکہ تایا اب نے ابھی یہ بات کسی کو یعنی امی کی اور تایا بیکم ویدو کو بھی نہیں بتائی ہے اس لیے وہ کسی سے نہ کہہ کرے۔

”ہونہ۔“ گویا اس خوش کن ذکر کو زمانے میں عام کرنے کے لیے وہ تو مری جاری ہے۔ بیلہ نے سر جھٹک کر سوچا اور سوچ کے معاملے میں تو وہ آج کل پوری طرح خود کفیل تھی ایک کے بعد ایک نیا مسئلہ نئی فکر۔

یوں سکندر میں کوئی ایسی برائی نہیں تھی جسے اس کے خلاف جواز کے طور پر پیش کیا جا نا اس کے گھر کا ماحول اس کی عادت و اطوار سے جھلکتا ہکا پین“ امی کو شاید اتنے برے نہ لگتے ہوں جتنے کہ اسے آخر وہ ان کے اپنے تھے اور امی کو یہ اپنا ہیں بے حد متاثر کر رہا تھا۔ شام ڈھلے تک امی کو خوش خوش دیکھ کر وہ ہوتی رہی یاد رکھنے کے گھر جانے کی اس میں اب ذرا بھی بہت نہیں تھی۔ مگر جاتے جاتا جا رہی تھیں قہار سے زیادہ خطرہ امیر کی طرف سے تھا۔ ایک بار پھر پروگرام کیسٹل کرنے پر وہ اس کی جان کو آجاتی۔

شازدہ کا بلاوے پر بلاوا آ رہا تھا سو وہ تیار ہو کر اس

کی طرف آگئی ۲ سے دیکھ کر شانزدہ نے فوراً ہی چلو چلو کی رٹ لگا دی وہ بے حد خوش تھی آج عید بھی ساتھ جا رہا تھا ورنہ تو اپنے کاروبار کی مصروفیات اسے کم ہی ٹائم دیا کرتی تھیں۔ فرنیٹ سیٹ پر بیٹھی وہ سارا راست عید سے باتوں میں مصروف رہی بیلہ پیچھے بیٹھی اس پر رشک کرتی رہی۔ آصف نہیں آیا تھا اس لیے وہ تینوں ہی جا رہے تھے شانزدہ عید پر جس طرح استحقاق جتاتی تھی اس سے اس کے اعتماد کو اور اور اظہار ہوتا تھا اور من چاہے شخص کا عید کے لیے اپنی دسترس میں رہنے کا خیال دل پر کیا عطر طاری کرتا ہو گا بیلہ نے آذر کی کے ساتھ سوچا۔

وہ لوگ جب تک وہاں پہنچے، محفل کافی عروج پر آچکی تھی یاد رکھو گھر والوں کا سوشل سرکل وسیع تھا۔ اور ہمارے بھائی ریشہ کا اعتقاد ان کا معمول۔

”کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں اتنی دیر لگا دی۔“ امیر نے اسے ساتھ لے کر قریبی ٹیبل کا رخ کیا۔

”یہاں نہیں، کہیں پیچھے چل کر بیٹھتے ہیں امیر۔“ آج مہمان معمول سے زیادہ تھے اور بیلہ کا محفل کے بچوں سے بیٹھنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

”اوں ہونہ۔“ امیر نے اس کے کمرے سے احتجاج کو سر کی ایک جھٹک سے روکا ۳۲ صبح تو وہیں آئے گا پیچھے بیٹھ کر کیا تماشا دیکھنے کو ملے گا وہ کری سٹیج کر بیٹھی تو بیلہ کو بھی بیٹھنا پڑا۔

”کالی امی نے آج خصوصیت کے ساتھ اپنے سارے میکے کو انوائٹ کیا ہے اور ذرا نوٹ کرو کہ گیا ایک سے بڑھ کر ایک اسٹارٹ لڑکے بھرے ہیں ان کے میکے میں اس سے پہلے تو کبھی اتنی تعداد میں یہاں نہیں دیکھے گئے ہیں۔“ اس کے انداز پر بیلہ کے لبوں کے مسکراہٹ بس ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گئی۔

پچھلے کلر کے سوٹ میں وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں شہری اداسی امیر سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

اور وہ خوش نصیب کون ہو گا اس کا بھی اندازہ آج ہو ہی جائے گا۔ ۴۰ امیر کو احساس تھا کہ یہ وقت بیلہ کو چھیننے کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اس کا دھیان ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

تھیندہ آج واقعی مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی۔ خوبصورت تو وہ بھی ہی پر آج اس نے اپنی تیاریوں میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہاں اس کے بہت سارے کزنز موجود تھے جن کے جھرمٹ میں وہ ایک ادا کے ساتھ سر لوٹتا کیے بیٹھی تھی۔ بالکل ایسے جیسے ایک عالم کو رخ کرنے کا ارادہ کیا ہو ہو۔

یاد رکھی امی اپنے جہر مہمان سے اسے متعارف کرانا خود پر فرض کئے ہوئے تھی۔ ظاہر ہے کہ اس تعجب کی مہمان خصوصی وہی تھیں امیر نے اسے حمیت کی والدہ بھی دکھائیں جو کل رات ہی پاکستان کی گئی تھیں بیلہ کو انہیں دیکھ کر انہی جہر تھیں ہوئی۔ تھیندہ کی والدہ کو ایسا ہی ہوتا جا رہا ہے تھا۔

سرخ سفید رشتہ تو گولڈن ڈائی کئے گئے ہاوں کے ساتھ وہ یقیناً خود کو بھی ”ستینوں“ میں شمار کرتی ہوں گی انہوں نے جیوری کا استعمال بھی بے تحاشا کیا ہوا تھا۔ کھانے اور خوبصورتی کا مرض معاشرے میں ویسے ہی عام ہو چلا ہے وہاں اپنی ہی اس کا شمار نہیں تو کیا عجیب تھا۔

”تم دونوں سر جوڑے کسن کی غیبت میں مصروف ہو؟“ یاد ان کی طرف چلا آیا۔ آج وہ مہمانوں کو اینڈ کرنے میں مصروف تھا۔ اس لیے کھڑا ہی رہا۔

”تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔“ امیر کے لیے میں جو ذرا شرمندگی ہو۔

”بہری بات! اور بیلہ تم تو باز رہو پلیر کم از کم یہی خیال کرو کہ آج کتنی اچھی لگ رہی ہو۔“ یاد کا تعریفی جملہ بیلہ کو آج سارے دن جھبکی لگی انہوں نے اس کے طور پر لگا ٹھٹھک کا سکون بخش احساس اندر کی جھلک کو کم کرنے لگا۔

”ایک بات ہے امیر! وہ بیلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کیے دے رہا تھا اور اسے خواہ مخواہ ہی اُدھر ادھر

لگا رہی دو زانی بڑی تھیں۔“ بیلہ جب سے خاموش رہنے لگی ہے اور زیادہ اچھی نہیں لگنے لگی ہے۔

”اچھی تو تجربہ ہمیشہ سے ہی ہے لیکن شاید تمہیں نظری نہیں آئی۔“ امیر نے ہر دہرہ جواب دیا۔

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، میری نزدیک کی نگاہ بہت تیز ہے۔“ اس نے جملہ پورا ہی کیا تھا کہ کسی نے تو انڈسٹری یا اور مسکرا کر اس کی طرف چلا گیا۔

بیلہ کو لگا جیسے وہ اس کے دل کا بھید پا چکا ہے اس کے جملوں کی معنی خیزی کشف ہو کر نہ کرنے والی تھی۔ بیلہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ امیر پر ناراض ہونے لگی۔

”کیا ضدت تھی میرے حوالے سے اس قسم کی فضول بات کرنے کی۔“

”بات میں نہیں یاد کر رہا تھا اور ایک مذاق کی بات میں تم اس قدر سیریس کیوں ہو رہی ہو۔“ امیر نے ملاحت سے سمجھانا چاہا۔

”میں اس قسم کے مذاق افورڈ نہیں کر سکتی۔“

”بالکل ہو یاد رکھی بات کا کیا برا ماننا تم بھی تو اسے بہت کچھ کہہ رہی ہو ہم لوگوں کا انتظار انا ساتھ ہے پہلے تو بھی تمہاری ذوریں نہیں تھیں۔“

”بیلہ کی بات اور بھی امیر۔“ حالانکہ وہ اسے چھٹا چاہتی تھی کہ وہ عید سے ایسی ہی تھی فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب اس کا اپنے دل پر سے بھروسہ اٹھ چکا ہے۔ یہ کہنا بھی کہاں آسان تھا سو وہ آج کی روداد کی طرف آگئی۔ ”خالہ کے گھر کا باخول بالکل مختلف ہے اور سکندر کی نچرا اس سے بھی زیادہ خالو کیا ابا کے پاس آئے تھے ان کا خیال۔“ وہ دھیرے دھیرے سناتے لگی۔ تو امیر کو بے حد شہیدگی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

”میرا تم لوگوں سے ملنا چھٹا شاید ناممکن ہی ہو جائے گا اور یاد رکھو کہ ساتھ یہ بے تکلفی تو بالکل ہی ناقابل معافی نہیں ہو گی۔“ وہ یاد رکھ کے جملوں کی معنی خیزی سے خوش ہو کر خوش فہمیوں کا جال بٹھانے کے بجائے

حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ امیر کو اس کے اتنی جلدی ہمارا لینے پر حیرت بھی ہو رہی تھی اور افسوس بھی ان دونوں کا بچپن سے ساتھ تھا۔ یاد ہو دو بہت سی محرومیوں کے امیر نے اسے آج تک بہت باخول اور صابر ہی پایا تھا حتیٰ کہ اس کے تایا ابا کی فیملی کے نامناسب رویے کا اندازہ بھی امیر نے وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی کیا تھا۔ ورنہ بیلہ نے تو کبھی ان کے متعلق بھی کوئی نگہ نہیں کیا تھا۔

”اتنی جلدی سارے اندازے مت لگاؤ کل دل اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے اور آئی کے لیے بھی تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔“

”خوشی!۔“ ایک بھبکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی سانسے یاد اسے اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا کسی بات پر غور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کس قدر تازگی تھی جو فاصلے سے بھی محسوس ہو رہی تھی۔

ایسا لگتا ہی باہر آ گیا۔ امیر کا مشیئر بیلہ سے حال احوال پوچھتے ہوئے وہ ذرا دیر کے لیے وہیں بیٹھ گیا۔ موضوع خود بخود بدل گیا باہر کی طبیعت میں یاد کی نسبت سنجیدگی تھی اور بھٹل امیر کے ”اسے اپنی مشیئر کے آگے پیچھے بچھرنے سے زیادہ ضروری کلمہ بہرہ وقت درپیش رہتے تھے۔“ اس وقت بھی چند منٹ بیٹھ کر وہ چلا گیا۔

امیر کو اس کی امی نے تو اذی تو وہ بھی ”ابھی آئی“ کہہ کر اٹھ گئی۔ بیلہ کچھ دیر کے لیے تھکا پھوٹی رہ گئی۔

اپنا دھیان ہٹانے کے لیے اس نے توجہ ”تھینڈ اینڈ گروپ“ کی طرف کر لی۔ ان کی فیملی پر سب سے زیادہ رش تھا۔ تھینڈ کی امی بھی دو کچھ پر پہلے تک اپنی رشتہ دار خواتین کے ساتھ نظر آ رہی تھیں۔ اب اپنی ”خوشی“ کے ٹھیک برابر جا بیٹھی تھیں۔

اپنی بیٹی کو دینے جانے والے عزیز اور جائیداد کا آج انہوں نے کافی پروہی گنڈہ کر لیا تھا۔ اس لیے آگے کا کام مزید آسان ہونے کی پوری پوری توقع تھی اور اس ذخیرہ ساری چکا چوند میں تھینڈ کا حسن بہت سی نگاہوں

میں وہ آتش ہو رہا تھا۔ اپنی اہمیت کا تسنید کو شاید کچھ زیادہ ہی احساس ہو چلا تھا۔ جس طرح وہ اپنی نگاہوں اور ہاتھوں کا استعمال کر رہی تھی یقیناً خود کو مس ورنہ سمجھ رہی تھی۔

بیل بے ساختہ ہی مسکرا دی۔
 ”یہ ایسے ایسے کس مسئلے میں خوش ہوا جا رہا ہے میں قسم سے سخت جلیس ہو رہا ہوں۔“ یاد اس کے ٹھیک سامنے والی کرسی بھیج کر بیٹھے ہوئے بولا ”نہیں اس مسکراہٹ کا سبب آنجناب سکندر الدولہ کے خیال سے تو نہیں تھے اس پر وار ہوئی تانہ پریشانی سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لیے ناواشت طور پر دل دگھلائے والا مذاق کر گیا۔

”جس سے بھی ہو تم سے مطلب۔“ بیلہ شدید آکٹاہٹ کا شکار ہوئی۔

”مطلب ہے سپی تو پوچھ رہا ہوں۔“
 ”کوئی ضرورت نہیں میری مگر کرنے کی جا کر اپنے مسلمانوں کو ایشیز کرو۔“ پاور کی مسکراہٹ بیٹھ اسے چرنے پر مجبور کر دیا کرتی تھی۔ پر توجہ ایسا نہیں تھا کسی قسم کی کوئی بحث کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا بے زاری کا یہ انداز یاد رکھنے کے لیے بھی نیا تھا۔ اسی لیے وہ کچھ چونک سا گیا۔

”بات کیا ہے اور دیکھو میری طرف۔“
 ”آخر تم کسی بات کے پیچھے کیوں پڑ جاتے ہو۔“ وہ بہت احمق کے ساتھ اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولی اور ایسا کرنے کے لیے اسے کتنی ہمت کرنی پڑی تھی۔ یہ وہی جانتی تھی۔

رنگ اور خوشبوؤں سے بھی اس محفل میں دل کش نفوش والی اس لڑکی کی آنکھوں میں ٹہری اداسی اسے بے حد متغیر احساس بخش رہی تھی۔

کبھی کبھی اداسی کے رنگ بھی خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ یاد بہت دھیان سے اسے دیکھے گیا۔ وہ جوانی بات کہہ کر اب گردن موڑے اس کی طرف سب انگلیں بھی توجہ نہ دینے کا ارادہ باندھے بیٹھی تھی۔

”اتنی دیر سے تمہیں اشارے سے بلا رہی ہوں“

آخر خود انھیں کھڑا کر دیا۔
 تہنید کا ہاتھ یاد رکھنے شانے پر تھا اور لمبے میں جاگوا ری ”کب سے نہیں تھے بیٹھے ہو وہاں چلو ہماری ٹیمیل پر“ اتنی مزیدار باتیں پوری ہیں کہ ہیں۔

”ہو نہ چند پچھو رہے اس کے حسن کا قہیدہ چھ رہے ہوں گے اور کیا باتیں ہوں گی۔“ بیلہ نے جل کر سوچا تہنید کی جانب رخ کرنے کی اس نے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ مگر وہ خود ہی اسے مخاطب کر بیٹھی۔

”اوہ بیلہ آپ بھی آئی ہیں پاور۔“
 اس کی انگریزی، دو چار رسمی جملوں کے بعد ٹھپ ہو جاتی تھی یہ بات بیلہ امیر سے سن چکی تھی مگر کبھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ حیران کن تھا۔

ایک زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سما کر اسے تہنید پر دھا ہوا ہاتھ تھامنا پڑا یاد رکھنا ہوا بریلٹ اس کی کھائی میں تھا۔

”نہیں بھی تم بھی تمہیں پوچھ رہی ہیں۔“ وہ یاد کو بیٹھے آئی تھی سو اسے اٹھا کر پچھوڑا بیلہ سے اس نے رسا بھی اٹھ کر کہا کہ وہ بھی انہیں جوائن کرے۔

یاد کا ہاتھ تھامے وہ اپنی ٹیمیل پر چلی گئی۔
 بیلہ کی نگاہ میں اس کی کھائی پر دھکا ہوا وہ بریلٹ ابھی تک محو رہا تھا اور اس کی چمک اتنی بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کہ اسے اپنی آنکھیں جھپکی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

تہنید کی آن یاد کے ساتھ بڑھتی ہوئی بے تکلفی کو وہ بھی سمجھ میں آ رہی تھی۔

شارہ اور عید کی تلاش میں وہ نظریں ادھر ادھر دوڑانے لگی۔ مگر وہ دونوں نظر نہیں آ رہے تھے امیر بھی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ بیلہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ اب گھر جانا چاہ رہی تھی اس لیے شارہ اور عید کو ڈھونڈنا ضروری تھا مگر دے فاصلے پر وہ دونوں نظر آئے تو وہ ان لوگوں کی طرف بڑھ گئی۔

خالو کی کالیٹ پر سب ہی حیران تھے
 یا تو وہ بیلہ کا نام سننا گوارا نہیں کر رہے تھے یا اب

اس کے منہ بگڑتے نہیں تھک رہے تھے صاف خالہ جو ان کے منہ سے اپنی اگلی بیٹی، بہن اور بھانجی کے لیے طنز بھلے سننے کی غلامی ہو چکی تھیں اب ان کی تعریفیں سننے ہوئے حیرت سے میاں کا منہ دیکھنے لگیں۔ بہر حال اس تبدیلی پر وہ بے حد خوش تھیں اور ان سے بھی زیادہ سکندر اس کی دلی تمنا پوری ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا بیلہ کو لاکھ پندرہ کرنے کے باوجود بھی وہ اپنا سے بغاوت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ سارا روپہ سپہ ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا اور نہ جانے کن کن ترکیبوں سے وہ وہ کے چار اور چار سے اٹھ بنائے جاتے تھے۔ حال ہی میں بیٹی کی شادی الہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کوئی بیٹھی مہلی نہیں تھی۔ خاصا بڑی چیز ہیں۔ سو ان کی مخالفت مہل کے کرکھن اپنی چند ہزاری تنخواہ کے بل پر بیلہ سے عشق جھانسنے کی حماقت سے وہ بازی رہا تھا۔

”کسی دن اپنی بہن کو کھانے پر ہی ملو الو بہت دن ہو گئے ہیں اسے آئے ہوئے۔“ سپہر کو ہیند سے اٹھتے ہی انہوں نے بیوی کو یہ اہمیت کی وہ ان کے لیے چائے کا پیالہ لیے چلی آ رہی تھیں۔ سپہانے رکھی میز پر چائے رکھ دیا تھا جس کی بیٹی پر تک لگیں۔

”اور ایسا کرنا کہ بیلہ کے نایا، کھائی کو بھی آئے کے لیے کہہ دیا۔“ آج تک ہم تو کون نے انہیں بڑھتی نہیں کیا۔

”کیوں! ابھی بیٹی کی شادی میں آئے تو تھے وہ لوگ۔“ صنفیہ خالہ نے ان کی نصیحت کی۔

”شادی میں آنا اور بات بھی اور اب اس بات کو بھی تین ماٹھے تین ہاتھ ہو ہی گئے ہیں۔“

”کیا بات ہے آج کل بڑے مہمان ہیں۔“ وہ طنز کے بغیرت رہ سکیں۔

”ہم تو بھٹ ہی سے ایسے ہیں۔ تم ہمیں نہ سمجھ سکیں صنفیہ بیگم۔“ خالہ کے چہرے پر پچھلی مسکراہٹ مٹتی نظر آئی۔

”پھر کچھ تو پتا پٹنے آخر معاملہ کیا ہے۔“
 ”ام کھانے سے غرض رکھو بچ مت کو جنہیں

سکندر کی شادی بیلہ سے کرنے کی آرزو تھی سو وہ پوری ہو جانے کی تم اس کی تیاری شروع کر دے۔“

”تیاری کہاں سے کروں؟“ سپہ میرے ہاتھ پر رکھو گے تو تیاری ہوگی نا۔“ وہ کچھ دھکی سے بولیں بیٹی کی شادی کے بعد سے خالو نے پھر اپنی مٹھی کس کر بند کر رکھی تھی۔

”میںے بھی مل جائی گے صبح پر رکھو۔“ بیلہ ایک دفعہ بیلہ کے نایا کے گھر چل کر باقاعدہ رشتہ کا کر کے تاریخ لے لیں۔“ وہ بیوی کی فطری کا ذرا بھی برا مانے بغیر مسکراتے رہے آج کل ان کا لہجہ بڑا سہاس بھرا ہو رہا تھا۔

”تو کب چلیں گے آخر میں تو پوچھ پوچھ کر بار بھی کہ بیلہ کے نایا سے کیا بات ہوئی ہے مگر کچھ بھی بتا کر نہ دیا۔“

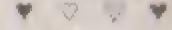
”سب پتا چل جائے گا بس تمہوڑا انتظار کرو۔“ وہ چائے ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ”مجھے ذرا کام سے جانا ہے میرے کپڑے استری ہوئے ہیں یا نہیں۔“ انہوں نے بات کا رخ فوراً وہاں جب سے بیلہ کے نایا سے مل کر آئے تھے اسی طرح ہر اسرار سے بھرتے تھے وہاں کیا بات چیت رہی تھی۔ اس کا لہجہ انہوں نے کسی کو بھی نہیں دیا تھا۔

صنفیہ خالہ بدتراتی ہوئی استری کے ایشیز کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ اسی بڑے بڑے موڑ کے ساتھ وہ خالو کی قمیض استری کر رہی تھیں کہ سکندر آگیا وہ بے چارہ دن میں کئی بار بیوی اس کے ساتھ پوچھا کرتا تھا کہ ایسا ہے کچھ بتایا؟ اس وقت بھی پوچھنے لگا تو وہ بہت چڑ کر بولیں۔

”پوچھ لے خود کیا تو پ داغ کر آئے ہیں وہاں؟“ میری تو جیسے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اس گھر میں۔“ ان کے کڑے تیر سکندر کے لیے کئی احوال خاموش رہنے کا بھل تھے سو وہ خاموش ہی رہا۔

معاملات اس کے حق میں جا رہے تھے خواہ مخواہ کا غصہ دکھا کر وہ بتا جانا کھیل بگاڑنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ خود ہی اندازے لگاتا ہوا باہر کے

دروازے کی طرف چل دیا۔



آج کل روزہ پھر سے آسمان پر بادل جمع ہونے شروع ہو جاتے ہو، ابھی چھٹنے لگتی ایسا محسوس ہوا کہ بارش ہوئی کہ ہوئی۔ مگر پھر شام ڈھلے تک ہوا کے جھونکوں میں تیزی آتی شروع ہوئی اور سارے بادل یہ جاوہ جا۔

بیلہ کو بارشوں کا موسم بے حد پسند تھا، تو اس سے پڑتی پانی کی بوندیں وہ بچپن ہی سے بڑے شوق کے عالم میں دیکھا کرتی تھی، یہاں تک کہ بارش کے بعد کی کچڑ اور پھسلن بھی اسے کوفت میں مبتلا نہیں کرتی تھی۔

بہت سارے دنوں کی گرمی اور تپش کے بعد یہ بادلوں بھری دھیرس خوشگوار احساس پیدا کر رہی تھیں۔

بیلہ نے گیٹ سے لاکھج تک آتے آتے روز کی طرح آج بھی بارش کی دعا مانگی، آج آفس سے وہ ذرا جلدی فارغ ہوئی تھی۔ امیر نے کہا بھی کہ اس کے گھر چلی جائے مگر وہ مالی امیر کے پاس سارے موضوع وہی ہو کر آتے تھے، وہ خواہ مخواہ اپ سیٹ کرتے تھے اس کی ہر بات کا سرا کہیں نہ کہیں سے ہوتا ہوا اپنی سسرال سے جا ملتا، جنہاں یا اور اور تھمتہ کا ذکر لازمی ہوتا۔

ساتھ لاونچ میں امی، مائی امی اور تپا بیگم بیٹوں کی موجود تھیں۔ وہ بڑے سوہت نہیں کاروبار میں وہ بلا میں دھرے تھے اور رنگ برنگے کپڑوں کا دلکش ڈھیر مائی امی کے سامنے تھا۔

بیلہ کچھ بوکھلا سی گئی۔

بالکل شادی کی تیاریوں والا منظر تھا اور اسے فوری طور پر یہی خیال آیا کہ مائی امی اس کے معاملے میں اگلی پچھلی ساری سرنگھال دینا چاہ رہی ہیں۔

”آجباؤ بیلہ! اور بھی میرا تو خیال ہے کہ اب تم آفس سے چھٹی ہی لے لو۔“ مائی امی سے اتنے نرم لہجے میں بات سننے کا موقع شاید کبھی پہلے ملا ہو، بیلہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ جس چیز کا اور آج کل اسے گھر سے رہتا تھا، کس وہ سر پر تو نہیں آچھا تھا۔ وہ پریشان نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھنے لگی۔

”شازہ اور عید کی شادی کی تیاری ہے۔ تپا بیگم نے گھر لے لیا ہے، دو سرائس ایک دو مہینے کے اندر اندر تیار رکھ دینا ہے۔“ امی نے اپنے سامنے پھیلائے ہوئے کپڑے کو قطع کرتے ہوئے اصل صورت حال سے آگاہ کیا تو اس کی جان میں جان آئی۔

مائی امی اور تپا بیگم نے اسے کھانا کھا کر وہ بیٹھے پر وہ رکی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ لوگ یقیناً اس کے کوئی نہ کوئی کام کرنے کی کوشش کریں گے جیسے وہ سہولت کے ساتھ منع کروے گی۔ نتیجہ کے طور پر محبت اور بھائی چارگی کے اس خوبصورت منظر میں ضروری ظفل پڑ جاتا تھا۔

بیلہ اپنے کمرے کی طرف چلی آئی، امی کے مصروفیات میں حد سے زیادہ اضافہ ہوتا تھا، وہ بھی سر جتنی ہوئی بچن میں چلی آئی۔ وہاں کئی نہیں تھا سب کے کھانے بننے سے فارغ ہو کر بوا بھی شاید آرام کرنے چلی گئی تھیں، بات بات میں روٹیاں رکھی تھیں، پلٹ کے ایک کوٹنے پر ذرا سا ساں نکال کر وہ وہیں کھانا چلا کر کھیل رہے تھے۔

ابھی کھانا کھاتی رہی تھی کہ خلاف توقع امی آئیں۔

”فارغ ہو گئیں آپ۔“

”نہیں ابھی تو کام شروع ہی کیا تھا میں تو تھیں دیکھنے آئی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولیں بیلہ محسوس کر رہی تھی کہ جب سے سکندر کے ساتھ اس کی شادی کی امید بندھ گئی ہے۔ امی بہت خوش رہنے لگی ہیں۔ اور ان کے چہرے پر پچھلی خوشی کے عکس دیکھ کر ہی وہ کچھ کھنکھانے کی بہت نہ کر پائی۔

ای کچھ دیر بونسی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں، وہ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئے مائی امی وہ ساتھ ہی تھیں۔

”بھائی صاحب کا خیال ہے کہ شازہ کے ساتھ تمہاری شادی سے بھی فارغ ہو جایا جائے آج ناشتہ کے بعد وہ میرے پاس آئے تھے کافی دیر بیٹھے رہے۔ آفس بھی دیر سے گئے، تمہاری خالو وہاں آفس میں ان کے پاس آتے رہتے ہیں، وہ بھی جلدی کر رہے

ہیں، میرے خیال میں تو اچھا ہی ہے کہ یہ کام جلد از جلد ہو جائے، ابھی سموڑی دیر پہلے صفیہ کا فون بھی آیا تھا، ہم سب کو کھانے پر بلانا چاہ رہی ہے۔ میں نے کہا بھائی صاحب سے پوچھ کر ان کا فون بھی کیا۔

”ایسی بھی کیا جلدی ہے امی! ابھی شازہ کی شادی ہو لینے دیں۔“ وہ آہستگی سے بولی، ان کی ابقیہ باتوں کو تو شاید اس نے ٹھیک سے سمجھا نہیں تھا۔

رفیہ نے ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا، چاہا، مگر وہ چوہ جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے اشارات واضح نہیں تھے۔ وہاں تھیں ابھی طرح سمجھ رہی تھیں نہ بیلہ دل سے خوش نہیں ہے، پر اسے وہ شخص اس کی جذباتیت گردان رہی گی۔

”جلدی ہے، اچھے رشتے آسانی سے نہیں ملتے۔“

اب شازہ کو وہ کھو عید سے شادی پر اس نے ذرا بھی اعتراض نہیں کیا، ورنہ اس کے لیے رشتوں کی کیا کمی ہے۔

شازہ سے اپنا دوازن اسے بری طرح چڑا گیا۔

”آپ بھی کس سے کس کو مل رہی ہیں۔ نہ شازہ سے

میرا مقابلہ ہے اور نہ عید سے سکندر کا اور پھر شازہ

اور عید کی تو اپنی مرضی شامل ہے اس میں شے میں۔“

”سکندر کی بھی تو مرضی ہے اور مجھے یقین ہے کہ

اس کے زور سے چہرہ ہمارے جھونکے راضی ہوئے ہوں

کے ورنہ وہ تو بالکل الگ معاملے کے آوی ہیں۔“ رفیہ

نے اس کے آکر لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے سمجھانا

چاہا اور پھر دیر تک اسے آئندہ کے روشن امکانات

سے آگاہ کرتی رہیں۔

ان کا خیال تھا کہ بیلہ کے صفیہ خالہ کے گھر میں

قدم رکھتے ہی وہ سارا گھر انہ سر تپا بیل جائے گا اور وہ

لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے بیلہ ان کی کسی خوش

منی سے متعلق نہیں سمجھتی۔ پھر بھی سننے لگی اور جہاں

جہاں مناسب سمجھا۔ تصحیح بھی کرتی گئی۔

”حالات سے سمجھو کرنا دانا ہے، جی! تمہارے

ابو زندہ ہوتے تو اور بات ہوتی، پھر کہ سکندر بستر حال

اچھا لڑکا ہے، تمہیں بہت خوش رہے گا۔“ امی اپنا

ارادہ بدلنے کے قطعی موڈ میں نہیں تھیں۔

”وہ تو شکر ہے کہ بھائی صاحب نے ہماری ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اور اٹھا رہے ہیں ورنہ تو نہ جانے کہاں رکتے۔“ وہ جانتے جانتے کہہ گئیں۔

خود کو یوں بے چارگی بھرے جلوں کی زد میں رکھنا بیلہ کے لیے بیٹھ ہی تھا، قابل برداشت ہو جاتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ بالکل ہی کوئی گئی گزری شے ہو۔

اس وقت بھی وہ امی کے جانے کے بعد خود کو پر تک کنٹرول کرتی رہی وہ سکندر کو تاپسند کرنے کی وجہ یا اور یہاں کچھ اور اس کا سوال خود سے جواب لینے ہو سکتا وہ کنفیوژن کا شکار ہونے لگتی تھی۔

یاد رکھی ذات کو بچ میں سے ہٹا کر امی نے کئی بار سکندر کے متعلق سوچنا چاہا مگر ہٹا نہ سکی۔ خیال کی ہر رہ گزیر وہ پہلے سے موجود وہ ناول میں اس کے ساتھ کی آرزو کب سے دبلی تھی۔ خبریہ نہ ہو سکی رہا چاہا بھی تو اس وقت جب وہ پچھڑنے کو تھا اور دل کسی نصیحت کسی ناول کو سننے سے سخت منکر تھا۔

”ہو نہ ایسا بھی کون سا سوچ مائی ہے۔“ امی

بھینکی سی مسکراہٹ بیلہ کے لبوں پر آئی، ”اور اگر

تہمت میں صفیہ خالہ کا گھر ہی لکھا جا چکا ہے تو؟“ اس

کے آنے سوچنا محال تھا، وہ یہ پیر اور شرف آف سے

متاثر ہونے والی لڑکی نہیں تھی، زندگی کی بہت سی

عمرو میں کو جھیلنے کے باوجود اس کی طبیعت میں ذرا سا

بھی ہلکا پن نہیں تھا۔ کسی کی بڑی سے بڑی چیز کو بھی

نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا اس نے بچپن سے ہی سیکھ لیا تھا

ایک بے نیازی ہی اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی

اور یہی بے نیازی مائی امی وغیرہ کو چیلنج محسوس ہوتی

تھی۔ ادھر صفیہ خالہ کا گھر نہ جیسے تو رہتا تھا زندگی کا

شعور نہیں، انسان چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ اس کی سوچ

اسے چھوٹا بناتی ہے سو وہ سارے بھی سوائے صفیہ

خالہ کے دکھائے خود پسندی اور جھوٹ کے شکار

ہوئے زمین پر رو کر آسمان کی باتیں کرتے تھے۔

عصر کا وقت ہو رہا تھا، بیلہ وضو کے لیے اٹھ گئی نماز

پڑھ کر بھی وہ دیر تک تصحیح پڑھتی رہی، خود بخود شرتا



”تمہیں کی امی نے اپنے ماموں زاد بھائی کے بیٹے کو پسند کر لیا ہے تمہیں کے لیے ڈاکٹر ہے امریکہ میں سیشن ہے اور آج کل یہیں آیا ہوا ہے اس دن پارلی میں تھا۔“

”میں میں کام سے ذرا سی فرصت پاتے ہی امیر نے بلا کسی تمہید کے اطلاع دی۔“ پانچواں اعلان تو نہیں ہو سکا ہے پر افواہ گرم ہے اور اب ہماری سانس سخت نشیمن میں ہیں۔ ان بے چاری کے تو ہزاروں روپوں پر پانی پھر گیا ہے سمندر اری کے چکر میں وہ تو بہت پر امید تھیں اور تمہیں کی امی نے بھی ان کو اتنے ہی آسرا دے دیا تھا مگر اب وہ کمال کی بے سروتی دکھائی دیتی ہے۔“

”مگر کیوں؟ کیوں کر رہی ہیں وہ ایسے؟ اور تمہیں وہ کچھ نہیں کہہ رہی ہے۔“ بیلہ پوچھتے بغیر نہیں رہ سکی پانی والے دن تمہیں کا یاد رکھنے کے ساتھ بے تکلف انداز اس کے ہاتھ میں یاد رکھا یا پھر سیشن اس کی امی کا یاد اس کی والدہ سے لگاؤ کا اظہار آخر وہ سب کیا تھا۔

”اے سب چلتا ہے یہاں، جس چار پیسے کا کافیہ ہو تا نظر آیا وہیں ساری ٹھٹھ منہ بھول بھال نیا قبیلہ بنا لیتے ہیں لوگ آج کل تمہیں سنا ہے تھوڑا بہت ہیں وچیں کر رہی ہے ذرا اصل یاد اور اس امریکہ والے سے شکل میں کافی اچھا ہے۔“ امیر نے جاری تھی۔

بیلہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا۔ تمہیں اس کی امی یاد اور اس کی والدہ اور پانی میں شریک دو سرے بہت سے چرے بیلہ کی نگاہوں میں گھٹا ہو رہے تھے۔

کیا لوگ تھے یہ زندگی گزارنے کے لیے ان کے پاس کچھ اخلاقی اصول تھے بھی یا نہیں بناوٹی باتیں کھو کھلے قہقہے اور دکھاوے کی محبتوں کا اظہار جنہیں خدا نے ہر طرح سے نوازا تھا مگر پھر بھی نہیں سیر نہیں تھیں۔

حل من مزید

حل من مزید

اور وہ خود اس سوٹ اپ کا حصہ بننے کے لیے مری جا رہی ہے۔ اسے اپنے آپ سے شرم آنے لگی یاد رہی کون سا الگ ہے تمہیں کی شکل اس کے باپ کا بے ہمایہ۔ دیکھ کر وہ کتنی آسانی سے پھسلا ہے۔

”یاد رہے تو سخت چڑا ہوا ہے۔ بات کرو تو لڑنے کو آجاتا ہے میرا خیال ہے کہ وہ اپنی امی کی باتوں سے خاصا بیزار ہے۔“

”میں آج جلدی جاؤں گی امیر! اس لیے تھوڑا کام ختم کر لوں پلینز۔“ وہ کسی قسم کے مفروضے سے خود کو بھلاتا نہیں چاہتی تھی اس ذکر سے ہی اسے اب گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔

”کیوں! خیر ہے۔“

”میں نے بتایا تھا کہ خالد باپ شلا نر ہیں پر میں سے ذرا انہیں دیکھنے جاؤں گی۔“ اس نے سامنے رکھی ہوئی فائل کو کھولتے ہوئے کہا۔

”میرا ٹھیک ہے۔“ امیر بھی اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یوں بھی سامنے سے صدیقی صاحب آتے نظر آ رہے تھے۔

بیلہ نے اپنا کام جلدی نہایا تھا اس لیے صدیقی صاحب کو وجہ بتا کر چھٹی کرسی لے لی۔ امیر کے لیے دھم دھم کام کیا تھا۔ اس لیے اسے رکتا رہا۔ ورنہ اس کا بھی پروگرام بن چکا تھا۔ بیلہ کے ساتھ جانے کا۔

امیر کو آہٹ میں ہی پھونک کر جب وہ باہر نکلی تو موسم بے حد خوشگوار تھا ہوا میں ٹھنڈ اور مٹی کی خوشبو کا احساس نمایاں ہو رہا تھا کہیں نزدیک ہی پارک ہو چکی تھی۔ بیلہ نے سرائی کے آسمان کی طرف دیکھا بہت دور سے کالی گھٹا فٹھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

ایز کنڈیشنر آہٹ میں سارا دن گزارنے کے بعد موسم کی فطری خوبصورتی کو محسوس کرنا پڑا بھلا سا لگا اور وہ ایسے مزید انجوائے کر سکتی تھی اگر اتنی متحضر کیفیٹوں میں نہ گھری ہوئی۔

صفیہ خالد دو دن پہلے اپنے گھر میں سلب ہو گئی تھیں ان کا جسم بھاری تھا کٹنے کی ہڈی میں ٹوٹ بکھرا

ہو گیا۔ رفیعہ پرسوں سے ان کے پاس تھیں آج صبح گھر آئیں تو انہوں نے بیلہ کو تکیہ کی کہ وہ آہٹ سے واپسی میں ان کی خبریت معلوم کر گئی تھے۔

رکتہ میں بیٹھی وہ مسلسل لوگوں کے رویے کے بارے میں سوچے جا رہی تھی اور اچانک پہلی بار ہی اسے یہ خیال آیا کہ ان مذہب اور مذہم لکھے لوگوں جن کی باتوں سے خیالوں سے خوشبو اتنی محسوس ہوتی ہے سکندر اور خالد پر رہا بہتر ہیں وہ جیسے ہیں وہی نظر آتے ہیں۔ آج تک وہ خالو کو ماہ پرست سمجھ کر ان سے چڑنی رہی پر وہ اتنے برے نہ تھے، آخر کیا ایا کے پاس جا کر انہوں نے اپنے کھیلے رویے کی معذرت تو کی اور اس کا ہاتھ سکندر کے لیے مانگا۔

وہ بہت غیر جانبداری سے تجویز کرتی رہی۔ کیا رکھا تھا اس کے پاس بھلا جس کالاچ ان لوگوں کو کھینچ لایا کچھ بھی نہیں ایک کم ہایہ لڑکی تھی چند ہزار روپے ماہوار کمانے والی جس کے ساتھ بے چوڑے چیز کی چمک و بک بھی نہیں اور وہ سروس کے ورکر ہوا ان چڑھی اپنے لیے اس قدر بے رحم الفاظ اس نے زندگی میں پہلی بار سوچے۔

بیسٹل کے گیٹ پر اتر کر اس نے کراپ لیا کیا اور اندر داخل ہو گئی۔ ایک رات بیٹھ بیٹھ تھا جو بہت زیادہ پرانا نہیں تھا مٹی کے لیے آئے جانے کے اوقات میں زیادہ سختی نہیں تھی۔

یونسی پارک لگاٹ کی جانب اس کی نگاہ اٹھ گئی تیا اب کی گاڑی کھڑی دکھائی دی۔

تیا اب کی یہاں موجود اس کے لیے باعث حیرت تھی وہ جتنے مصروف رہتے تھے اس کو دیکھ کر سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ صفیہ خالد کی عیادت کے لیے بطور خاص یہاں آئیں گے اور اب جب وہ یہاں آئی گئے تھے تو یقیناً اس کے اور سکندر کے درمیان بندھنے والے رشت کی نزاکت کو سمجھ کر ہی آئے ہوں گے۔

بیلہ نے سوچا کہ ”تیا اب بھی بس کبھی کبھی جرات ہی کر دیتے ہیں۔“

ایک خطبے

سے لڑکی

کے کہانی

اسیلم قریشی

کا ایک ایسا

ناول جو

خواتین ڈائجسٹ

میں قسط وار چھپا اور بے حد

مقبول ہوا، آج بھی ہر لڑکی ہر

خاتون یہ ناول پڑھنا چاہتی ہے

وا

خطبے

سی

دیوانی

سی

سی

سی

سی

سی

پانچویں یا دہر لوگ کم ہی نظر آ رہے تھے وہوٹی پر موندوز
نرس سے چٹا کر کے وہ داہنے ہاتھ والے کورڈور کی
طرف بڑھ گئی کارڈور کے سرے پر کمروں کی لائن نظر
آ رہی تھی مگر وہ قدم باندھ ہی نہ پاتا تھا۔

بائیں طرف مختصر سے بیچ سے چڑی وزغزلابی
میں سے آئی وہ تیا ابا کی آواز تھی۔

جانے کس خیال کے تحت وہ ذرا پیچھے کو ہوا کر کھڑی
ہو گئی بیلہ کے نام سے جو مکان میں نے خریدا ہے وہ تو
آپ نے دیکھ لیا ہے اب اگر آپ کی تسلی ہو گئی ہو تو
میں اس کی رجسٹری کرواؤں؟ تیا ابا کی آواز بالکل
صاف سنائی دے رہی تھی۔

”نہیں نہیں ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا
ساشاء اللہ بہت خوبصورت گھر ہے بس جو میری وہ
دوسری عرض تھی۔“ خالو کی خوشامد بھری آواز اس
کے کانوں سے گزرا رہی تھی۔ تیا ابا نے تیزی سے
ان کا ہلکا کاٹا۔

”نہیں بیلہ لاکھ کیش میں سکندر کے اکاؤنٹ میں
نہیں جمع کرا سکتا وہ میں بیلہ کے ہی اکاؤنٹ میں کروں
گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”تھیک ہے تو پھر ہماری طرف سے بھی بھوری
دیکھئے۔“ خالو نے تیز رفتاری سے بیلہ کے دیکھ کر کہہ کر
سر دھری اختیار کر لی۔

بیلہ ایک شاگ کے عالم میں کھڑی تھی۔

”کیا سوئے بازی تھی جو اس کے اپنے وجود سے
متعلق تھی اور وہی سبب خبر تھی۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔“ تیا ابا بھی ایک دم خشک
ہو گئے ”مگر میں آپ کی شرائط کو مانا ہوں تو مجھے اپنی
بچی کی سیکورٹی کا حق بھی حاصل ہے۔“

”ارے ارے رکے تو ذرا صاحب! آپ تو یکدم
ہی ناراض ہو گئے“ چلیے جانے دیں بیلہ ہی کے
اکاؤنٹ میں جمع کراویں ”آخر وہ بھی تو ہماری بچی ہے
اے سکندر تو کیوں خاموش کھڑا ہے۔“

خالو ہر سو دھڑکتے سارا لطف نقصان دہن میں رکھ
کر انہوں نے یہ کھیل کھیلا تھا۔

بیلہ کو اپنے کمال سمجھتے ہوئے محسوس ہوئے تو اس
نے انگلیوں کی پوروں سے انہیں حلف کیا۔

”یا خدا یا خدا! آخر ہم جیسوں کے لئے کوئی جائے
نہایت بھی یا نہیں۔“ اس کا دل بھر رہا تھا۔

سکندر کیا من میں کر رہا تھا خالو کا چکنا چڑا ہوا تیا ابا کی
بھاری آواز وہ کچھ بھی سنتا نہیں چاہ رہی تھی۔ ایک
دارو بوائے اور دوسرے گزرا تو وہ خود کو سنبھالنے لگی۔ تیا
ابا کے قدموں کی آہٹ پر وہ تیزی سے چند قدم پیچھے
بٹ گئی وہ جارہے تھے سکندر اور خالو ان کے پیچھے
غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ چل رہے تھے۔

”بس میری کیا خواہش ہے کہ بیلہ یا بھائی کو بھی
یہ خوند ہو کہ یہ سب میں نے آپ کے کئے
پسند۔“ تیا ابا کی آواز زور ہوئی جارہی تھی۔

چند منٹ بعد اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اب
وہاں کوئی نہیں تھا۔

ایک گہری سانس کے لئے اس نے خود کو پرسکون
کرنے کی کوشش کی اور داخل دروازے کی طرف بڑھ
گئی تیا ابا کی گاڑی بائیں ٹل کے گیٹ سے باہر نکل رہی
تھی اور وہ دونوں باپ بیٹے وہیں پارکنگ لائٹ کے
قرب کھڑے شاید آئندہ کالانچ مکمل کر تیار ہو
رہے تھے۔

بے حد خوش اور مطمئن۔

بیلہ چند لمبے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھتی
رہی جیسے کے دروازے کو دھکیل کر باہر نکلتے ہوئے
اس نے اپنے بیک سے سن گھاس نکال کر پتے ”ان
روٹی روٹی آنکھوں کے ساتھ“ وہ ان لوگوں کا سامنا کرنا
نہیں چاہتی تھی۔

وہ لوگ وہیں کھڑے تھے جب وہ ان کے عین
قرب پہنچی اسے یوں سامنے پا کر ان دونوں نے
مگر جو شوق کھائی چاہی۔

پر بیلہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے
ہوئے بل بھر کا بھی توقف نہیں کیا۔ ”آپ دونوں
حضرات سے بس ایک چھوٹی سی بات کہنے کے لئے
میں رکی ہوں کہ آئندہ کسی کی قیمت لگانے سے پہلے

ایک نظرائی اوقات پر بھی ڈال لیجئے گا۔ آیا آپ اس
مہنگی خریداری کے قائل بھی ہیں یا نہیں۔“
”بیلہ بیٹی۔“ خالو نے کچھ گستاخا کر اس نے جیت
سنائی نہیں۔

”مکمل منہ کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ سلطان
صاحب! آج اس وقت کے بعد میری زندگی بھر کے
لئے تمنا ہو گی کہ میں آپ کی اور آپ کے بیٹے کی
صورت تک نہ دیکھوں۔“

مضبوط لمبے میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے
ایک نگاہ خالو کے کپٹے ہوئے منہ اور سکندر کی آنکھوں
میں جلتی جھنکی شعروں پر ڈالی اور تیز قدموں سے
گیٹ کی طرف چلا گئی کئی کئی پندرہ پانی شروع
ہو چکی تھیں۔

رکشا یا ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے ہوئے اسے
بجا طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ اتنی مضبوطی دکھانے
کے باوجود آنکھوں میں پانی ہے کہ بھر تائی چلا جا رہا
ہے۔

ایک گاڑی بالکل قریب آ کر رکی تو وہ گھبرا کر دو قدم
پیچھے ہٹ گئی۔

”بیلہ آؤ بیٹو۔“ اس کی سائڈ کا دروازہ کھولنے
ہوئے دروازے تک سین پر بیٹھے یا در نے بھٹکے ہوئے
کہا۔

وہ اسے منع کرنا چاہتی تھی مگر حلق میں آنسوؤں
سے پھندہ سا لگا جا رہا تھا۔

”بارش تیز ہونے والی ہے اور گھر یہاں سے بہت
دور ہے۔ اس لئے منع کرنے کی حماقت مت کرنا۔“

آپ پاس سے گزرنے لوگوں میں سے چند ایک
نے اپنی سی ٹی ٹی گاہ اس پر ڈالی۔ ہوا کے جھونکوں کو
ساتھ لاتی پالی کی بوندیں اس کے چہرے اور بالوں سے
گزار رہی تھیں۔ چاقی سڑک پر اس تیز ہوتی بارش میں
لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بننے سے شاید کسی ہمتور ہوا وہ
جلدی سے کپٹے دروازے سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”گھر ہے۔“ یا در گاڑی کو کھینچ میں ڈالتے ہوئے
بولتا ”در اصل میں تمہیں ہی لینے میں آیا تھا ابھی

مکمل پر تیار تے تیا ابا کی گاڑی کو کراس کیا تھا وہ بھی
شاید دوسری سے ہو کر جارہے تھے۔“ اس نے ذرا
توقف کیا کہ شاید بیلہ کچھ کئے گھر وہ تو تھوڑا سا ترچھا
رہنے کے باہر دیکھے جارہی تھی۔

”بہت دن سے ایک محاذ پر لڑ رہا تھا آج کامیابی ہوئی
تو خوشخبری سنائے تمہارے پاس بھاگا چلا آیا۔ وہاں
آفس میں وہ امیر مجھے طعنے دینے کے لئے تیار نہیں۔
بڑی مشکل سے تمہارا بتایا ہونے والی ساس کی تیار
داری کا چھاشق اپنایا ہے تمہارے۔“

”سٹ اپ یا در۔“ بیلہ کو ضبط کی حد ختم ہوتی
محسوس ہوئی ”آخر اسے حق کیا پہنچا تھا کہ وہ اس کا یوں
مذاق اڑائے۔“

”ارے وا! غصہ تو مجھے دکھانا چاہیے جو تمہیں
میرے فیور کی ساری پائٹنگ تباہ کیے دے رہی ہو پھر
میں تو وہ کیا کیا ہے شاعر نے ہاں۔ میں کو چڑھ ریب میں
بھی سر کے مل گیا۔ کی تصویر بنا میں تک آ گیا۔“

بیلہ نے فحشا اب جھکے سے دانت تلے دھپایا وہ ابھی

لڑوہ خواتین ڈائجسٹ

اسکی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو (سائیکلو پیڈیا)

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق، آئسٹ چھاپائی، مضبوط جلد

تقریباً 600+ صفحات

پتا ذیل سے خریدیں

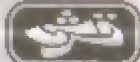
- مکتبہ عمران ڈائجسٹ، ۱۰ اردو بازار کراچی
- ۱۱ نیوز ایجنسی، فریڈرکس کراچی
- سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ لاہور
- اشرف ٹیک انٹرنیٹ راولپنڈی • مرزا نیوز ایجنسی حیدرآباد
- ندوہ ڈاک گرانٹ مکتبہ عمران ڈائجسٹ کراچی

گیسٹو فیل
سیرپ



- تیزابیت
- گیس
- بد ہضمی
- میں مفید

تحقیق کی روایت
معیاری ضمانت



والی چیز سونا نہیں۔ وہ بہت سادہ مگر مضبوط لہجے میں اپنی بات کہے چلا جا رہا تھا۔ ”ہمارے بڑے اگر کبھی کبھار ایسا چاہ رہے ہوں، جو ہماری خواہش کے بالکل برعکس ہو، تب بھی تب بھی ان کی عزت و احترام میں کمی نہیں آنے دینی چاہئے، بلکہ ان کی خوشی اور رضا مندی کو جیتنے کی کوشش کرنی چاہیے، میں بھی ایسا ہی کر رہا تھا اور دیکھو، کامیاب ہوا۔“

بیلہ گردن موڑے باہر برستی بوندوں کو دیکھے جاری تھی اس کی وضاحت کو دل پوری طرح قبول کر رہا تھا وہ ایسا ہی تھا جیسا دل نے اسے جانا تھا، سب کا خیال رکھنے والا، دیکھنے والا اور شفاف دل کا مالک، پر وہ یہ سب اسے کیوں سنا رہا تھا۔ بے ساختہ ایک فلمی سی مسکراہٹ بیلہ کے لبوں پر دوڑی۔

”اور اس بارانی میں ہمینہ کے ہاتھ میں وہ بریلیٹ دیکھ کر تو تمہارا چہرہ فٹ ہوا تھا، وہی مجھ سے لے چلی تھیں، شے کیا خبر تھی کہ وہ اسے حالہ نکالے میں نے لیا تو کسی اور کے لیے ہی۔“

میرا چہرہ کیوں فٹ ہوتا تھا، تو ابھی اسے دفاع کرنا پڑا یا اور پھر نہیں پڑا۔

مگر بالکل قریب آچکا تھا۔ مولا و ستار پرستی پارش میں ہمارے کامنڈر بارہ منڈلا تیار رہا تھا، بیلہ نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، سر مٹی کاسی پاؤںوں کا غبار دور تک پھیلا ہوا تھا۔

گھر آچکا تھا، وہ بتا کوئی لفظ کہے اترنے لگی تو پیچھے سے یاور کی آواز آئی۔ ”رات کو امی امبرو غیبو کے ساتھ آ رہی ہیں۔ تمہارے تایا آیا اور امی سے ملے، اور تمہارے تایا اب اسے سمجھارتے ہو تو ہوں گے کہ سکھار کے مقابلے میں سمجھے۔“

بیلہ نے ایک نظرا سے دیکھا اور نہیں پڑی۔

تایا اب سمجھارتے ہو تو یقیناً ہوں گے، لیکن آج خود سے ان کی جس بے پناہ محبت کا اظہار وہ ابھی ابھی دیکھ کر آ رہی تھی۔ وہ دل سے سب سوسے مناد چکا تھا۔

مین گیٹ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور بیلہ بھاگتی ہوئی اندر غائب ہو چکی تھی۔



تک خالو اور تایا اب اس کے گئے جملوں کے زیر اثر تھے۔

اگر یہی سب وہ شادی کے بعد جان پاتی، بیلہ کا دل زور سے کانپا زندگی بھر کے لیے اپنی نظروں میں کرے رہتا کتنا تکلیف و عمل دو آتا۔

”ایسا کرو اچھی طرح رو لو، پھر اطمینان سے باتیں کریں گے۔“

وہ اس کی جانب دیکھے بغیر مشورہ دے رہا تھا اور مزید پرداخت کرنا بیلہ کے لیے واقعی ناممکن تھا، اس نے گلاسز گود میں رکھ کر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر باقاعدہ رو دی یاور خاموشی سے گاڑی چلا رہا۔

اس دخل اندازی نہ کرنے کا یہ قاعدہ ہوا کہ وہ چند منٹ میں اپنا دل ہکا کر بیٹھی تھی۔

”غلط فیصلے اسی طرح دلاتے ہیں، شکر کرو کسی چھپتاوے کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ زندگی۔“ وہ اسے کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا مگر بیلہ کو اچانک اس سے متعلق شکایتیں یاد آئے لگیں۔ ”جیسے تمہیں تمیز کا ساتھ مل پانے کا چھپتاوہ ہے۔“ یاور بہت زور سے ہنسا۔

”تمہارے احقر پن میں پہلے بھی کسی شے کا شکار نہیں رہا ہوں۔“ وہ مستقل مذاق اڑاتے جا رہا تھا۔

”کیوں اسے دن سے تمینہ اور اس کی امی کے آگے پیچھے نہیں پھرتے تھے تم اور تمہاری امی اسے ہو بنانے کے کتنے کتنے جتن کیے جاری تھیں اور اس دن پارٹی میں۔“ وہ بولتی رہیں۔

”بہت معلومات رکھتی ہو میرے بارے میں، خبر تو ہے۔“ وہ اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا تو بیلہ نے نظریں چرائیں۔ ”بوراصل میرے اس معاملے کو اتنا اس رکھنے سے تم زبردست غلط فہمی کا شکار رہیں۔“ یاور نے احتیاط سے سوز کا تابا بارش تیز ہو چکی تھی، ”میں امی کو ناخوش نہیں دیکھنا چاہتا تھا بیلہ اچھے برے کا فیصلہ وہ خود کریں، میری یہی خواہش تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی جان جائیں گی کہ ہر جتنے